دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن
اطاعتِ والدین کے حدود
تقریظ
عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم
صدر دینی مدارس بورڈ و صدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ و آندھرا
مؤلفین
مفتی ابوبکر جابر قاسمی
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی
ناشر
فیصل انٹرنیشنل دہلی
Faisal International

دوم اضافہ شدہ ایڈیشن

اطاعت والدین کے حدود

اس کتاب میں نہایت تحقیق سے قرآن وحدیث اور فقہاء کرام کے کلام کی روشنی میں بتلایا گیا ہے کہ اعتقادات، معاملات، ازدواجی زندگی میں والدین کی اطاعت کی حد کیا ہے؟ دین شکنی نہ ہو اور دل شکنی بھی نہ ہو، ادائیگی حق کے ساتھ دوسرے پر ظلم نہ ہوجائے، ادب اکرام کے کونسے طریقے جائز ہیں، بہت سے سماجی اور علمی معرکۃ الآراء مسائل کی گُھتی سُلجھائی گئی ہے، عوام وخواص، خطباء ومصلحین کے لئے ایک انمول تحفہ!

تقریظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

صدر دینی مدارس بورڈ وصدر مجلس تحفظ ختم نبوت تلنگانہ وآندھرا

مصنفین

مفتی ابوبکر جابر قاسمی　　مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن: ۱۴۴۰ھ=۲۰۱۹ء

نام کتاب : اطاعت والدین کے حدود

ترتیب : مفتی ابوبکر جابر قاسمی:09885052592

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی:9966488861

تکمیل و تصحیح : مفتی محمد منیر قاسمی، رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد

تزئین گرافکس : قبا گرافکس، حیدرآباد انڈیا، فون:8801198133

صفحات : 180

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 040-23836868
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون:040-66710230
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، ناپلی، حیدرآباد

فہرست مضامین

اعتقادات میں اطاعت کا ضابطہ

عبادات میں اطاعت کا ضابطہ

معاملات میں اطاعت کا ضابطہ

ازدواجی مسائل میں اطاعت کا ضابطہ

حدود کے احکام

تقریظ

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

''اطاعتِ والدین کے حدود'' کے نام سے تقریباً پونے دوسو صفحات پر مشتمل ایک کتاب حضرت مولانا مفتی ابوبکر صاحب اور مولانا احمد اللہ نثار صاحب زیدت معالیہما کی کاوشوں سے ترتیب دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر آج معاشرے میں نہایت ہی افراط وتفریط سے کام لیا جارہا ہے بہت سخت ضرورت تھی کہ والدین سے متعلق حدود کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے اور قرآن واحادیث مبارکہ کی روشنی میں بتلایا جائے کہ کہاں اطاعت ہو۔ کہاں نہ ہو "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" کا تصور آج اکثریت کے ذہنوں سے اوجھل ہوجانے کی وجہ سے بڑی زیادتیاں دیکھنے میں آرہی ہیں۔ بہت قابلِ قدر کاوش ہے، آج کی سخت ضرورت ہے۔ باحوالہ مندرجات ہیں اور نہایت مفید مواد یکجا کیا گیا ہے۔ مولانا کی محنتوں سے قبل ازیں مختلف موضوعات پر مبسوط کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اللہ کرے کہ دیگر کتب کی طرح اس کو بھی شرفِ قبولیت حاصل ہو اور لوگ زیادہ سے زیادہ اس سے مستفید ہوں۔ حق تعالیٰ اپنے کرم سے قبول فرمائے۔ (آمین)

۱۹ / ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

مطابق ۳۰ / ۱۱ / ۲۰۱۸

مقدمۂ کتاب

پرودگار کے بعد بندہ پر سب سے بڑا حق بے شک والدین کا ہے، لیکن وہ حق بھی دیگر حقوق کی طرح غیر محدود نہیں ہے، دیگر مذاہب میں اس قدر تفصیل سے حدود کی وضاحت نہیں کی گئی، جتنا دینِ اسلام نے اس کی جزئیات کو پیش کیا، ان کا اتنا حق نہیں ہے کہ کفر وشرک کو قبول کرلیں، رواج کے دباؤ میں بیوی کو طلاق دیں، بیٹی ماں باپ کے خلع پر بے جا اصرار کو مان لیں، ان کی ہر طرح کی بدعا قبول نہیں ہوتی، ماں گرچہ حسنِ سلوک میں والد سے تین درجے آگے ہے، مگر ادارۂ خاندان کا امیر، بیوی کا شوہر اور بچوں کا باپ ہی ہے، ان حد بندیوں سے واقفیت کے بغیر معاشرتی پیچیدگیوں کو حل نہیں کیا جاسکتا ہے، بالعموم حقوق والدین کو بولا لکھا جاتا ہے، اطاعت کے حدود کو نہ بیان کرنے کی وجہ سے علم وعمل میں عوام وخواص گونہ بے اعتدالی کا شکار ہیں۔

اس موضوع پر سب سے پہلے راقم الحروف کی نظر سے حضرتِ اقدس حکیم الامت علیہ الرحمہ کا تعدیل حقوق الوالدین نامی رسالہ گذرا، پھر ایک عالم دین عبدالمعین اکرم کی "الأحكام الفقهية المتعلقة ببر الوالدين" (مطبوعہ جامعہ مدینہ عالمیہ، ملیشیا ۲۰۱۲) کا عرب رسالہ گذرا، ہماری کتاب مسنون معاشرت میں اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالی گئی، اس عربی رسالہ نے اور معاشرہ کی دن بدن بگڑتی صورتحال نے مزید تحریک پیدا کی کہ اس مواد کو اردو فتاوی سے مؤید کر کے پھیلا جائے، بحمد اللہ مفتی احمد اللہ نثار قاسمی حفظہ اللہ نے رسالہ کی تلخیص وترجمانی کی، مفتی محمد منیر قاسمی سلمہ نے اردو فتاوی سے حسبِ منشا بار بار مراجعت اور نقل مواد کا کام کیا، کوشش کی گئی کہ وہ مسائل ضرور شامل

ہوں جو مشرقی معاشرت میں پیش آتے ہیں۔

اردو داں طبقہ کی رعایت کرتے ہوئے فقہی مذہب کے اعتبار سے حنفی مذہب کا نمایاں طور پر ذکر ہے، بعض نصوصِ حدیث میں دفعِ تعارض، حقیقی مصداق کی وضاحت پیش کی گئی ہے، خدا کرے کہ اس معاشرتی باب کا فہم و عمل مجھے اور قارئین کو نصیب ہو۔

ابوبکر جابر قاسمی

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

۱ ستمبر ۲۰۱۸ء

بنیادی اصول

برّ (حسن سلوک) کی تعریف

ایسی نرم گفتگو جس سے محبت چھلکتی ہو، اور ایسا مالی تعاون جس سے شفقت ومحبت کے آثار نمایاں ہوں، احترام وادب کا پہلو ہر وقت غالب ہو، اہتمام سے زیارت وتعاون ہو، نیکی کے تمام امور میں اطاعت کی پابندی ہو، حقوق کی ادائیگی میں سعیٔ تمام ہو، ان کے مقامِ معزز ومکرم کی حفاظت ہو، اور نفرت آمیز وسخت گیر کلام نہ ہو:

"هو الإحسان بالقول اللين اللطيف الدال على الرفق والمحبة وتجنب غليظ القول الموجب للنفرة الخ" (۱)

قرآن مجید میں برّ الوالدین کو "احسان" سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (۲)

عقوق (نافرمانی) کی تعریف

ہر وہ قول وفعل واشارہ، جس سے والدین کو تکلیف ہوتی ہے، البتہ معصیت وشرک کے حکم کو توڑنا نافرمانی میں داخل نہیں ہے، اس کو اللہ رب العزت نے جامع انداز میں فرمایا:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۸/ ۶۳، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية

(۲) سورۃ النساء: اس موضوع پر ابن جوزی، امام غزالی اور امداد اللہ انور کی تحریروں سے ماخوذ رقت انگیز او راسلاف کے اعلی نمونے نے ہماری کتاب "مسنون معاشرت" جلد اول میں مذکور ہیں، سینکڑوں صفحات سے کشیدہ عطر اور منتخب مواد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۱)

اطاعت کا معیار

۱) ہر مباح کام کے کرنے اور چھوڑنے میں والدین کی اطاعت دو شرطوں کے ساتھ واجب ہے: [۱] ایک اطاعت ترک کرنے میں والدین کو تکلیف ہوتی ہو، [۲] دوسرے اس اطاعت سے اولاد کو نقصان نہ پہنچتا ہو، مباح کام فی نفسہ مباح ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت کو جب واجب قرار دیا ہے تو حکم الٰہی کے پیش امر مباح بھی واجب ہو جائے گا، جیسے نفل فی نفسہ مباح ہے لیکن شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا واجب ہے، اسی طرح امر مباح حکم والدین کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔

۲) مستحب عمل ترک کرنے اور مکروہ فعل کے ارتکاب میں والدین کی اطاعت تین شرطوں کے ساتھ واجب ہے: [۱] ایک اس فعل کے کرنے میں والدین کی کوئی مصلحت مضمر ہو، ترک اطاعت سے انہیں تکلیف ہوتی ہو، [۲] دوسرے اولاد کو اس مستحب یا مکروہ فعل کے ارتکاب سے نقصان نہ ہوتا ہو، [۳] تیسرے کسی شرعی گنجائش کے بغیر والدین کا حکم سنتِ مؤکدہ کے ترک سے متعلق نہ ہو، البتہ شرعی عذر کی بنا پر یہ حکم ہو جیسے والدین کو اولاد کی خدمت کی ضرورت کے موقع پر فعل مکروہ کے ارتکاب کا حکم ہو تو ان کی اطاعت واجب ہے۔ (۲)

۳) واجب لعینہ کے ترک میں اور فعل حرام کے ارتکاب میں والدین کی اطاعت حرام ہے (۳)، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الاسراء: ۲۳

(۲) الآدب الشرعية: ۱/۲/۵۷۲، مؤسسة الرسالة

(۳) فتاوی عثمانی: ۱/۲۹۲، فتاوی بینات: ۳/۳۸۱، کتاب النوازل: ۱۵/۱۱۰، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۶/۵۰۰

وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا ۖ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (۱)

۴) واجب لغیرہ (واجبِ کفائی) کا ترک والدین کے حکم پر واجب ہے، چونکہ یہ واجب دوسرے سے ادا ہوجائے گا، اولاد ہی کے ذمہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

۵) مشتبہ اشیاء (جن چیزوں میں حلت وحرمت کا یقین نہ ہو) کے ترک کے حکم میں والدین کی اطاعت واجب ہے، کیونکہ مشتبہات کا ترک تقوی ہے اور والدین کی اطاعت واجب ہے، لہذا تقوی پر معاون حکم میں والدین کی اطاعت ضروری ہے۔ (۲)

نافرمانی کا معیار

۱) والدین کو تکلیف پہنچانے والا کوئی کام کرنا جبکہ وہ کام شرعاً ممنوع ہو اگر وہ فعل گناہِ صغیرہ ہے تو والدین کے منع کرنے کے بعد کرنا گناہ کبیرہ ہوجائے گا: مثلاً کسی کو ایسی گالی دینا جو گناہ کبیرہ نہ ہو والدین کے منع کرنے کے بعد اس طرح کی گالی یا جملہ کہنا گناہ کبیرہ ہوجائے گا، یا مثلاً کسی شخص کو برا بھلا کہا جو فی نفسہ گناہ صغیرہ ہو؛ لیکن اس کے والدین کو کچھ نہیں کہا تو یہ گناہ گناہ صغیرہ ہی رہے گا، اور اگر اس شخص کے والدین کو بھی کچھ برا بھلا کہا تو یہ گناہ صغیرہ گناہ کبیرہ بن جائے گا۔ یا مثلاً ایسا سفر کیا جس میں والدین نے اولاد کی جان یا کسی عضو کے تلف ہوجانے کے خوف کی وجہ سے منع کر دیا تھا تو یہ سفر گناہ کبیرہ ہوجائے گا، جبکہ والدین کے منع کرنے میں نیت کے فساد کا احتمال نہ ہو کہ والدین کسی اپنی ذاتی مصلحت سے منع کر رہے ہیں؛ حالانکہ اولاد کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے

---

(۱) سورۃ لقمان:۱۵

(۲) احیاء علوم الدین بحوالہ بر الوالدین: ۲۴، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۵۵۸-۵۶۰

بلکہ وہ علم کا سفر یا تجارت کا سفر یا کسی منفعت کا سفر ہے تو اب سفر کرنا گناہ نہیں رہے گا یا مثلا ایسا کام جس کے کرنے سے جان یا عضو کا خطرہ ہے اور والدین اس سے منع کرر ہے ہیں تو اس کام کا کرنا گناہ کبیرہ ہوگا حاصل یہ کہ والدین کی نافرمانی ان کے اپنے جائز اغراض میں یا بلا عذر ان سے دور ہو جانے میں جبکہ انہیں اولاد کی ضرورت ہو گناہ کبیرہ ہے۔

۲) مباح یا مستحب کام جس میں والدین کا کوئی جائز مقصد ہو والدین حکم دینے کے بعد نہ کرنا گناہ ہے حاصل یہ کہ ہر مباح و مندوب کام والدین کے حکم کے بعد واجب ہو جاتا ہے اور اس میں نافرمانی گناہ ہے اسی طرح ہر وہ کام کرنا جو واجب نہیں؛ لیکن اس کے کرنے سے والدین کو تکلیف ہوتی ہو تو گناہ ہے اور نافرمانی میں داخل ہے، اس لیے اولاد کو ایسا کام کرنے سے بچنا واجب ہے۔

والدین کے چودہ حقوق

سات زندگی کے حق ہیں:

۱) عظمت، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بڑا درجہ والدین کا ہے، استاذ، پیر سے بھی زیادہ ہے، استاذ صاحب یا پیر صاحب نے بلایا کہ چار بجے ہمارے ہاں آؤ اور والد نے بھی اسی وقت آنے کو کہا تو استاذ اور پیر سے عذر کر دے اور والد کے ہاں حاضری دے۔

۲) محبت۔

۳) اطاعت۔

۴) خدمت، ان کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچائے۔

۵) رفعِ حاجت۔ ان کی جو بھی ضرورت ہو اس کو پوری کرنا۔

۶) فکرِ راحت، ان کے آرام کی بھی فکر کرے، اپنے لئے تو اچھا بستر، گدا اور والدین کے لئے پرانا میلا کچیلا بستر، اپنے لئے پنکھا اور راحت کا انتظام

اور والدین کے لئے کچھ نہیں۔

۷) کبھی کبھی ان کی زیارت وملاقات، ان چیزوں کا خیال اور لحاظ رکھے۔

وفات کے بعد کے سات حق ہیں:

۱) دعائے مغفرت۔

۲) ایصالِ ثواب طاعت، کچھ قرآن کریم پڑھ کے ثواب پہنچادے، قرآن نہیں پڑھا تو کلمہ شریف اور سبحان اللہ نیز الحمد للہ وغیرہ پڑھ کے اس کا ثواب پہنچادے۔

۳) اعانتِ احباب واہلِ قرابت، ان کے دوستوں نیز رشتہ داروں کی حسبِ استطاعت مدد کرنا۔

۴) اکرام واحترام احباب واہل قرابت، کسی کے والدین نے اگر دوسرا نکاح کرلیا تو ان کے جواعزہ ہیں ان کی بھی مالی خدمت کرنا۔

۵) ادائے دین وامانت، والد کے پاس کسی کی امانت تھی، والد کے اوپر کسی کا قرضہ تھا، تو اس کو ادا کرے۔

۶) تنفیذِ وصیت، انہوں نے جو وصیتیں کی تھیں ان کو پورا کرے۔

۷) گاہے گاہے ان کی قبر کی زیارت، ہفتہ میں ایک دن تو جا کے ان کی قبر کی زیارت کرلیا کرے۔(۱)

والدین کی اطاعت کس حد تک؟

اللہ عزوجل نے جہاں والدین کو اُف کہنے سے منع کیا ہے اوران کے ساتھ احسان کا حکم کیا ہے، اس آیت کے اخیر میں الفاظ ہیں: **اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا** (۲) دے قرابت دار کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو

---

(۱) ارشاداتِ ابرار:۱۸۸، مرتب: سید سلیم اللہ غوری صاحب، خلیفہ ومجازِ بیعت حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۲) اسراء:۲۶

اور مال مت اُڑا بگاڑ کر۔

حق تعالیٰ نے حد اعتدال کو قائم رکھتے ہوئے حقوقِ والدین کے ساتھ دیگر لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دی؛ کیونکہ احتمال تھا کہ اس سختی اور شدت کے ساتھ والدین کی اطاعت کا حکم دیکھ کر کوئی شخص کسی دوسرے کے ادائے حقوق کو محض معمولی بات سمجھ کر اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے اور رضائے والدین کو مقدم کرے، مثلاً والدین کہیں کہ اپنے اہل وعیال کو اِیذاء دے، خورد ونوش واجب میں کمی کرے تو وہ کرنے لگتا، پس رحیم وکریم نے بتلایا کہ ہر چیز کی حد ہے، والدین کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ کرو۔

مختصر جامع اصول

۱) جو سفر (خواہ تجارت کا ہو خواہ حج وغیرہ کا بشرطیکہ وہ سفر فرض وواجب نہ ہو) ایسا ہو جس میں غالب ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، بغیر اجازتِ والدین کے درست ہے، اگر والدین اس سفر سے منع کریں تو ان کے کہنے سے سفر نہ کرنا ضروری نہیں، چنانچہ یہ مسئلہ درمختار اور عالمگیری میں موجود ہے: جو سفر فرض یا واجب ہو، اس میں تو بطریقِ اولیٰ یہ حکم ہوگا اور یہ سب اس صورت میں ہے جب والدین اپنی ضروری خدمت کے محتاج نہ ہوں خواہ ان کو حاجت ہی نہ ہو یا ہو لیکن دوسرا کوئی خدمت کرنے والا موجود ہو۔

۲) اگر والدین کو ضروری حاجت کے لئے (جس کو شریعت نے ضروری کہا ہے مثلاً طعام ولباس وعلاج وغیرہ وادائے قرض) خرچ کی ضرورت نہ ہو اور اولاد کے پاس اپنی ضروری حاجت سے روپیہ یا دوسری قسم کا مال زائد نہ ہو اور والدین اولاد سے طلب کریں تو اولاد کو دینا ضروری نہیں۔

۳) والدین بغیر احتیاجِ خدمت نوافل پڑھنے کو منع کریں یا کسی دوسرے غیر ضروری کام کرنے سے روکیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا ضروری نہیں، ہاں اگر وہ

ضروری خدمت کے محتاج ہوں اور نوافل وغیرہ میں مشغولی ان کو تکلیف دے اور کوئی دوسرا خادم نہ ہو تو اولاد پر واجب ہے کہ نوافل وغیرہ چھوڑ کر ان کی خدمت کرے۔ (اس حوالہ سے جریج نامی بزرگ کا واقعہ گزر چکا ہے)۔

(۴) اگر والدین حقّہ نوش ہوں (بیڑی، سگریٹ، گٹکے اور دیگر تمبا کو والی چیزیں اس میں شامل ہیں) اور حقہ پینا بغیر مرض اور معذوری کے نہ ہو، اور اولاد سے حقہ تیار کرنے کی فرمائش کریں تو اولاد پر اس کہنے پر عمل کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ اس میں فعلِ مکروہ کا ارتکاب کرنا ہے، جو شرعاً مذموم ہے۔

(۵) اگر کسی کی بیوی سے کوئی (واقعی) تکلیف اور رنج اس شخص کے والدین کو نہ پہنچتا ہو خواہ مخواہ والدین اس شخص کو حکم کریں کہ تو اپنی عورت کو طلاق دیدے، اس کی تعمیل اس آدمی پر ضروری نہیں، بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم کرنا ہے، طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ناپسندیدہ چیز ہے، فقط مجبوری میں جائز رکھی گئی ہے، خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم اور مکروہِ تحریمی ہے، نکاح تو وصال کے لئے وضع کیا گیا ہے، یہ فراق بلا وجہ کیسے رَوا ہوسکتا ہے؟ (۱)

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے (یہ بڑے درجے کے تابعی ہیں، علم میں کوئی تابعی ان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکا اور یہ بڑے بزرگ اور صاحبِ کرامت بھی تھے)، اپنے باپ سے علاحدگی اختیار کی اور بالکل چھوڑ دیا "**وسعيد بن المسيب هجر أباه حتى مات**" دینی وجہ سے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ (۲)

---

(۱) **فتح القدیر: باب الایمان فی الطلاق: ۴/ ۱۱۶، دار الفکر بیروت**، مستفاد از تعدیل حقوق الوالدین، مؤلف حکیم الامت۔

(۲) **المعارف لابن قتيبة: ۱/ ۵۵**

۶) اگر والدین کسی گناہ کا حکم دیں کہ فلاں گناہ کرو مثلاً فرمائیں کہ اہلِ حق کی مدد نہ کرو یا زکوٰۃ نہ دو، دینی تعلیم حاصل نہ کرو، اور کوئی ایسی ہی بات کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کا کہنا ماننا حرام ہے اور ان کی مخالفت فرض ہے جبکہ وہ کام ضروری ہو جس سے وہ روکتے ہیں، ہاں اگر ان کو کوئی (واقعی اور سخت) تکلیف ہو مثلاً وہ بیمار ہوں، اور کوئی خادم نہ ہو اور نماز کا وقت ہے، اگر ان کی خبر گیری نہ کی جائے تو سخت تکلیف کا اندیشہ ہے، پس اس صورت میں اگر وہ نماز قضا کرنے کو کہیں تو قضا کر دے، پھر کسی وقت پڑھ لے، اور اگر کسی مستحب کام سے روکیں اور اپنی کسی ضروری حاجت (واقعی اور معتبر) کی وجہ سے روکیں تو ان کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور خواہ مخواہ روکیں تو واجب نہیں ہے۔

غیر مسلم والدین سے حسنِ سلوک

والدین کی اطاعت عموماً (بہر صورت) واجب ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر جس کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور اجماع میں موجود ہے، البتہ اس مطلق سے چند صورتیں خاص کر لی گئی ہیں جن میں اطاعت واجب نہیں بلکہ اطاعت جائز نہیں، چنانچہ کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک واجب ہے، لیکن ان کے حکم پر شرک کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مشرک والدین کے حکمِ شرک کے باوجود اطاعت نہ کرنا ان سے حسن سلوک میں داخل ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (۱)

والدین کا کافر یا مشرک ہونا ان کے ساتھ حسن سلوک کے منافی نہیں ہے؛ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ

---

(۱) النساء:۳۶

اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں آئیں جبکہ وہ حالت شرک میں تھی میں نے ان سے حسن سلوک اوراحترام واکرام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی سے پیش آو:

عن أسماء رضي الله عنها بنت أبي بكر رضي الله عنه، قالت: قدمت علي أمي وهي مشركة في عهد رسول الله ﷺ، فاستفتيت رسول الله ﷺ، قلت: وهي راغبة، أفأصل أمي؟ قال: «نعم صلي أمك» (۲)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو عبداللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے ہیں اپنے والد کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے بتقاضائے ایمانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو معزز بنایا ہے، اور آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے، اگر حکم فرمائیں تو میں اس کا (اپنے باپ کا) سر کاٹ لاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو، بلکہ اپنے والد کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک سے پیش آؤ:

"والذي أكرمك والذي أنزل عليك الكتاب لئن شئت لآتينك برأسه (أي: برأس أبيه) فقال رسول الله ﷺ: "لا ولكن بر أباك وأحسن صحبته" (۳)

مذکورہ آیات واحادیث سے پتہ چلا کہ کافر اور مشرک والدین سے قطع تعلق جائز نہیں ہے بلکہ ان کے حقوقِ واجبہ ادا کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک وصلہ رحمی سے پیش آنا

---

(۱) لقمان:۱۵ (۲) صحیح بخاري، حدیث نمبر ۲۶۲۰

(۳) صحیح ابن حبان، کتاب البر والإحسان، باب حقوق الوالدین: ۱۷۰/۲، حدیث نمبر: ۴۲۸

اطاعت خداوندی میں داخل ہے، لیکن ان کے حکم پر شرک کرنا یا خدا کی نافرمانی کرنا جائز نہیں ہے۔

غیر مسلم ملک میں موجود والدین

اگر کوئی شخص خود تو مسلمانوں کے ملک میں ہو، اور اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک غیر مسلموں کے ملک میں ہو تو بھی والدین کے ساتھ نیک سلوک واحسان کا برتاؤ کرنے کا حکم ہے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں تقویت حاصل نہ ہو:

"قال ابن جرير: أن بر المؤمن من أهل الحرب، ممن بينه وبينه قرابة نسب، أو من لا قرابة بينه وبينه ولا نسب، غير محرم ولا منهي عنه، إذا لم يكن في ذلك تقوية للكفار على المسلمين أو دلالة على عورة لأهل الأسلام، أو تقوية لهم بكراع أو سلاح" (۱)

ظالم والدین کے ساتھ حسن سلوک

اگر کسی شخص کے والدین ظالم ہوں، اس کے حق میں خیر خواہ نہ ہوں، اس سے قطع تعلق کرتے ہوں تو بھی اس شخص کو یہی حکم ہے کہ والدین کے ساتھ صلہ رحمی کرے، کیونکہ اس صورت میں یہ شخص اپنی ذمہ داری سے بری ہوجائے گا، جہاں ان ظالم ماں باپ سے ان کی ذمہ داریوں سے متعلق سوال ہوگا وہیں اولاد سے اپنی ذمہ داریوں سے متعلق پوچھا جائے گا، والدین کے ساتھ حسن سلوک جہاں والدین کا حق ہے وہیں حکمِ الٰہی ہونے کی وجہ سے اللہ کا بھی حق ہے، جب یہ شخص ظالم والدین کے حقوق ادا کرے گا تو اللہ کا حق ادا کرنے والا ہوا اور اجر بھی اللہ کی طرف سے ملے گا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۶۹/۸، رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۶۰۴-۵۹۴

عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے رشتہ داروں سے میں صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں، میں ان کے ساتھ حلم وبردباری سے پیش آتا ہوں وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔ اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہوتو گویا تم ان کے منہ میں گرم گرم راکھ جھونک رہے ہو(یعنی ان کی قطع تعلقی کے باوجود آپ کا ان کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کا برتاؤ کرنا ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص ان کو گرم گرم راکھ دکھلا رہا ہے، جس میں ان قطع تعلق کرنے والوں کی دنیوی ذلت ورسوائی ہے)، نیز گرم راکھ کھانے سے جو تکلیف ہوتی ہے وہی تکلیف ان کو بھی لاحق ہوتی ہے گرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہورہا ہے کہ جو جتنے بڑے مرض یا پاگل پن کا شکار ہوتا ہے، اتنا وہ اپنے آپ کو اس سے بری سمجھتا ہے، یہ تو دنیوی رسوائی ہوئی، اخروی اعتبار سے بھی وہ بہت بڑے گناہ کے مرتکب شمار ہوں گے، دوسری طرف احسان کا برتاؤ کرنے والے کو نہ کوئی دنیوی آفت ہے، نہ اخروی پشیمانی؛ بلکہ اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ اس کی مدد کے لئے مقرر ہوجاتا ہے، چنانچہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اور جب تک تم اس خوبی پر قائم رہوگے، تمہارے ساتھ ہر وقت اللہ کی طرف سے ایک مددگار رہے گا:

"لئن كنت كما قلت فكأنما تسفهم المل و لا يزال معك من الله ظهير عليهم ما دمت على ذلك" (۱)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ظالم رشتہ داروں سے جب حسن سلوک کرنا ہے تو ظالم والدین سے بدرجۂ اولیٰ صلہ رحمی کرنا ہے اور اللہ سے امید اجر رکھنا ہے، چونکہ اسی کا حق ادا کررہا ہے۔(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، حدیث نمبر:۲۵۵۸

(۲) نیز دیکھئے: فتاوی محمودیہ:۱۹/ ۴۲-۴۵

بدسلوک اللہ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے، اور اللہ ان کی طرف قیامت کے دن (رحمت کی) نظر نہیں فرمائیں گے، ایک تو والدین کا نافرمان "العاق لوالديه" (اور بدسلوکی کا مرتکب) دوسرے مردانہ عورت جو مردوں کی مشابہت کرنے والی ہو (یعنی چال ڈھال، وضع قطع میں مردانہ پن اختیار کرنے والی فیشن ایبل عورت) اور تیسرے دیوث (یعنی جو اپنی بیوی کو علم ہوتے ہوئے بدکاری سے نہ روکے) اور تین آدمیوں کی طرف اللہ (رحمت کی) نظر نہیں فرمائے گا، ایک والدین کا نافرمان (اور بدسلوکی کا مرتکب) اور دوسرے شراب کا عادی اور تیسرے (صدقہ خیرات وغیرہ) دے کر احسان جتلانے والا۔(۱)

معلوم ہوا کہ والدین سے قطع رحمی، بدسلوکی اور ان کی نافرمانی وایذاءرسانی اتنا سخت گناہ ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اللہ کی نظر رحمت سے محروم رہے گا۔(۲)

ماں باپ میں برابری کا حکم

اولاد کی طرف سے والدین کا مالی تعاون کرتے وقت اسی طرح گفتگو اور دوسرے معاملات میں والد اور والدہ کے درمیان مساوات اور برابری کرنا سنت ہے؛ تاکہ کسی ایک کی دوسرے پر ترجیح ظاہر ہونے سے دوسرے کی دل شکنی لازم نہ آئے۔(۳)

قطع تعلق کی سزا دنیا میں

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تمام گناہوں

---

(۱) مسند أحمد، حدیث نمبر: ۶۱۸۰ ۱۳۳، سنن نسائی، كتاب الزكاة، باب المسر بالصدقة، حدیث نمبر: ۲۵۶۲

(۲) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۳۱۴

(۳) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۲۶۶

کے مؤاخذہ کو جتنا چاہتا ہے قیامت تک مؤخر فرمادیتا ہے، سوائے سرکشی (یعنی ظلم وبغاوت) اور والدین کی نافرمانی) اور بے جا ایذاءرسانی) یا قطع رحمی کے کہ ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں موت سے پہلے دنیا (کی زندگی) میں جلد سزا دیتا ہے:

"یعجل لصاحبها فی الدنیا قبل الموت"(۱)

معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ قطع رحمی اور ان کی نافرمانی اور ایذاءرسانی کا گناہ اتنا سخت ہے کہ اس کا وبال آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ملتا ہے۔(۲)

کلمہ نصیب نہ ہونا!

والدین کی جائز امور میں نافرمانی کبیرہ گناہ ہے، بالخصوص والدہ کو بلا کسی شرعی بنیاد کے اذیت پہنچانا، بیوی کو ان پر ترجیح دینا، ان کی حق تلفی کرنا، اس کی وجہ سے سوء خاتمہ کا بھی اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں یہ معصیت مؤاخذہ کا ذریعہ نہ بن جائے، لیکن اس سلسلہ میں حضرت علقمہ ﷺ کا واقعہ جس میں ان سے موت کے وقت کلمہ نہیں پڑھا جاتا، پھر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والدہ سے خاص انداز میں سفارش کرنا، ماں کی شکایت کے بعد پھر کلمہ نصیب ہونا، یہ واقعہ محدثین کے نزدیک اس قابل نہیں کہ اس سے واعظین اور خطباء اپنی مجالس کو گرمائیں اور نقل کریں، ذیل میں محدثین کے فیصلہ کو نقل کیا جاتا ہے۔

ابن ابی اوفی ﷺ فرماتے ہیں کہ علقمہ نامی ایک شخص جو نماز روزہ کا بہت پابند تھا، جب اس کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اس کے منہ سے باوجود تلقین کے کلمہ شہادت جاری نہ ہوتا تھا، علقمہ کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع کرائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: علقمہ کے والدین زندہ ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ صرف والدہ زندہ ہے اور وہ علقمہ سے ناراض ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علقمہ ﷺ

---

(۱) الأدب المفرد: باب البغی، حدیث نمبر: ۵۹۱، مستدرک حاکم، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۷۲۶۳

(۲) رشتہ سے متعلق فضائل واحکام: ۳۱۶-۳۲۰

کی ماں کو اطلاع کرائی کہ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، تم میرے پاس آتی ہو یا میں تمہارے پاس آؤں؟ علقمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا: میں آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی، بلکہ خود ہی حاضر ہوتی ہوں، چنانچہ بڑھیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علقمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ دریافت فرمایا تو اس نے کہا: علقمہ نہایت نیک آدمی ہے، لیکن وہ اپنی بیوی کے مقابلے میں ہمیشہ میری نافرمانی کرتا ہے، اس لئے میں اس سے ناراض ہوں، آپ نے فرمایا: اگر تو اس کی خطا معاف کر دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، لیکن اس نے انکار کر دیا، تب آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور علقمہ کو جلا دو، بڑھیا یہ سن کر گھبرائی اور اس نے دریافت کیا کہ میرے بچے کو آگ میں جلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اللہ کے عذاب کے مقابلے میں یہ ہمارا عذاب ہلکا ہے، خدا کی قسم جب تک تو اس سے نارض ہے، نہ اس کی نماز قبول ہے اور نہ کوئی صدقہ قبول ہے، بڑھیا نے کہا: میں آپ کو اور لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے علقمہ کے قصور کو معاف کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو، علقمہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوا یا نہیں؟ لوگوں نے بیان کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علقمہ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو گیا اور کلمہ شہادت کے ساتھ اس نے انتقال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علقمہ رضی اللہ عنہ کے غسل و کفن کا حکم دیا اور خود جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے، علقمہ رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کے بعد فرمایا:

''مہاجرین و انصار میں سے جس شخص نے اپنی ماں کی نافرمانی کی یا اس کو تکلیف پہنچائی تو اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، اور سب لوگوں کی لعنت ہوتی ہے، خدا تعالٰی سے توبہ کرے اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرے اور جس طرح ممکن ہو اس کو راضی کرے، اس کی رضا ماں کی رضامندی پر موقوف ہے اور خدا تعالٰی کا غصہ اس کے غصہ میں پوشیدہ ہے''۔(۱)

---

(۱) طبرانی

(موضوع (من گھڑت حدیث) یہ واقعہ طبرانی (۱) بزاز (۲) میں ہے۔

یہ روایت بلحاظ سند موضوع ہے، اس کا راوی ابو الورقاء فائد بن العطار سخت مجروح ہے، اس کے راوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے یہ روایت مروی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فائد کی اس حدیث کو اپنی کتاب سے نکال دیا ہے، فائد بن العطار ان کے نزدیک متروک الحدیث تھا۔ (۳)

اس کے راوی کے بارے میں امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: ضعیف۔ (۴)

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے کہا: اور ابن ابی اوفی سے حدیثیں باطل ہیں، تو اس کی اصل نہیں پائے گا گویا کہ یہ روایتیں ابن ابی اوفی کی حدیثوں سے مشابہ نہیں ہیں اور اگر کوئی آدمی قسم کھائے کہ اس کی عام حدیثیں جھوٹی ہیں تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ (۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ''منکر الحدیث'' یعنی وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (۶)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں جسے منکر الحدیث کہہ دوں اس سے (میرے نزدیک) روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ (۷)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت متروک ومتہم اور صاحب احادیث موضوعہ کی وجہ سے موضوع ومن گھڑت ہے؛ لہٰذا ایسی روایت کا بغیر تنبیہ اور انکار کے بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

---

(۱) جامع المسند والسنن لابن کثیر، حدیث نمبر: ۳۰۷۷، ۳۰۸، ۵۱۹

(۲) کشف الاستار: ۳۷۵۶

(۳) مسند أحمد: ۳۸۲۴

(۴) تاریخ الدوری: ۳: ۱۴۳ تا ۷۰۴

(۵) الجرح والتعدیل: ۷: ۸۴

(۶) کتاب الضعفاء: ۲۹۹

(۷) میزان الاعتدال: ۱: ۴۱، ولسان المیزان: ۵۱

والدین میں کون مقدم ہے؟

الف) حقوق العباد میں سب سے مقدم حق والدین کا ہے،قرآن مجید میں مختلف مقامات ایسے ہیں جن میں اللہ کی توحید وعبادت اور والدین کی خدمت واطاعت کوایک ساتھ بیان کیا گیا ہے،لیکن والدین میں خدمت وحسن سلوک کے اعتبار سے والدہ والد پر مقدم ہے، کیونکہ ہر مخلوق اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہے، چاہے وہ انسان ہو یا جنات، پرند ہو یا چرند، ماں قطرہ قطرہ لہو دودھ کی شکل میں بچہ کو پلاتی ہے، ماں اولاد کی پیدائش سے پہلے (حمل کی حالت میں) بھی تکلیف اٹھاتی ہے، پیدائش (ولادت) کے وقت بھی تکلیف اٹھاتی ہے، اور پیدائش کے بعد (رضاعت کی حالت میں) بھی اپنی راحت قربان کرتی ہے، چنانچہ سورۂ احقاف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا (۱)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون، فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون، فرمایا تیرا باپ:

"جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رسولِ الله ﷺ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ" (۲)

---

(۱) الأحقاف:۱۵

(۲) صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، حدیث نمبر:۵۹۷۱

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن سلوک میں سب سے زیادہ حق ماں کا فرمایا، ماں وہ ہستی ہے جس کا اب تک دنیا میں کوئی نعم البدل ہی نہیں ہے، اس لئے حسن سلوک میں باپ کے مقابلہ میں ماں کو مقدم رکھا جائے۔

ب) والدین میں سے اگر کوئی ایک دوسرے کے خلاف حکم فرمائے تو اطاعتِ حکم میں کون مقدم ہے؟ فقہاء نے فرمایا ہے کہ احسان اور حسن معاشرت میں والدہ کا حق مقدم ہے اور وہ امور جن کا تعلق تعظیم وادب اور رائے سے ہے ان میں والد کا حق مقدم ہے:

"وَقَالَ الخطَّابِيُ: لم يخصّ الْأُمَّهَاتِ بِالْعُقُوقِ، فَإِنَّ عُقُوقَ الْاٰبَاءِ محرَّمٌ أَيْضًا، وَلَكِنْ نَبَّهَ بِأَحَدِهما عَنِ الْاٰخَرِ، فَإِنَّ بِرَّ الْأُمِّ مُقَدَّمٌ عَلى بِرِّ الْأَبِ إِلَّا أَنَّ لِعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ مَزِيَّةً فِي الْقُبحِ، وَحَقُّ الْأَبِ مُقَدَّمٌ فِي الطَّاعَةِ وَحُسْنِ المَتَابَعَةِ لِرَأْيِهِ وَالنُّفُوذِ لِأَمْرِهِ، وَقَبُولِ الْأَدَبِ مِنْهُ" (۱)

اور مفتی محمود حسن گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:

"احترام کے لحاظ سے باپ کا رتبہ زیادہ ہے اور خدمت کے لحاظ سے ماں کا حق زیادہ ہے:

"إذا تعذر عليه مراعاة جميع حقوق الوالدين، رجع جانب الأدب فيما يرجع إلى التعظيم والاحترام وحق الأم فيما يرجع إلى الخدمة والإنعام" (۲)

ماں کے قدموں میں جنت کا مطلب

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ بن سلمی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

(۱) المرقاۃ: ۸/۶۵۱، احسن الفتاوی ۹: ۵۴/

(۲) فتاوى اللكنوي المسمى نفع المفتي والسائل مايتعلق بإطاعة الوالدين: ۴۲۲، فتاوی محمودیہ: ۱۹/۴۶

خدمت اقدس میں حاضر ہوکر آپ کے ساتھ جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تیری ماں زندہ ہے؟ سائل نے کہا کہ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ویحك" (تیرا بھلا ہو) اپنی ماں کے قدموں کو پکڑ لے؛ اس لئے کہ وہاں جنت ہے۔

اور ایک دوسری روایت ہے کہ اپنی ماں کی خدمت کو لازم پکڑ لے، اس لئے کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں کے سامنے آدمی تواضع اور نرمی کا مظاہرہ کرے تو یہ عمل اس کے جنت میں داخلہ کا سبب بن جائے گا، ان شاء اللہ۔ وقال السخاوی: "والمعنی أن التواضع للأمهات سبب لدخول الجنة" (۱)

اختلافات کی صورت میں کس کا ساتھ دیں؟

جب والدین آپسی اختلافات کے باعث جدا جدا ہوجائیں تو اولاد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دونوں سے تعلق رکھے اور ان میں سے جو بھی بدنی یا مالی خدمت کا محتاج ہو اس کی خدمت کرے، ادب واحترام دونوں کا کرے، اگر ان میں ایک دوسرے کی خدمت سے یا اس کے ساتھ تعلق رکھنے سے ناراض ہوتا ہو، اس کی پروانہ کرے، کسی کو پلٹ کر جواب نہ دے، البتہ چوں کہ والدہ کے خرچ کا ذمہ کوئی نہیں لیتا، اس لئے والدہ کی جان ومال سے خدمت کو زیادہ سعادت سمجھے۔ (۲)

مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

> ''جب باپ لڑکے کو کسی امر جائز کے لئے منع کررہا ہے اور ماں کرنے کا حکم دے رہی ہے یا بالعکس تو باپ کی اطاعت کرنا چاہئے؛ کیوں کہ عورت شرعاً خود شوہر کی محکومہ ہے اس کا شوہر کے حکم کے خلاف حکم کرنا خود معصیت ہے اور معصیت میں اطاعت جائز نہیں''۔ (۳)

---

(۱) المقاصد الحسنة للشيخ عبد الرحمن السخاوی: ۲۰۷، کتاب النوازل: ۱۵/ ۱۱۰

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۵۵۴، فتاوی محمودیہ: ۸/ ۳۹۹، ۱۹/ ۴، فتاوی حقانیہ: ۲/ ۴۴۸

(۳) احسن الفتاوی: ۹/ ۵۴، (رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۱۷۳-۵۷۳، مفتی محمد رضوان، ادارہ غفران، کتب خانہ)۔

الغرض دونوں کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے کسی سے قطع تعلق کسی کے کہنے پر جائز نہیں، نیز ان کو سمجھاتے بھی رہیں کہ آپ دونوں کا رشتہ کسی وجہ سے اگر ختم ہوگیا ہے، تو ہمارا رشتہ اٹوٹ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا، ان کے حق میں دعائیں کرتے رہیں۔(۱)

اولاد کو متعارض باتوں کا حکم

اگر والدین کی طرف سے اولاد کو دو متعارض باتوں کا حکم ہو مثلاً والدین میں سے ایک کسی کام کا حکم کرے، اور دوسرا منع کرے تو اگر ان میں سے کسی ایک کی بات شریعت کے مطابق ہو اور دوسرے کی بات شریعت کے خلاف ہو تو اس کی بات کو ترجیح دی جائے گی، جس کی بات شریعت کے مطابق ہے۔

اگر والدین میں سے دونوں کی باتوں میں اس طرح ٹکراؤ ہو، بلکہ دونوں کی باتیں مباح ہوں تو اگر دونوں پر عمل ممکن ہو تو دونوں پر عمل کرنا چاہئے، اور اگر دونوں پر ایک ساتھ عمل نہ ہوسکتا ہو تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک والدہ کی اطاعت کا درجہ مقدم ہے اور بعض حضرات کے نزدیک دونوں میں سے کسی ایک کی اطاعت کا اختیار ہے۔

جب کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ رائے کی ترجیح اور ادب کے بارے میں والد کا درجہ والدہ سے زیادہ ہے، کیوں کہ مرد ہونے کی حیثیت سے عام حالات میں والدہ کے مقابلہ میں والد کی رائے زیادہ قوی اور دور بینی اور عقل پر مبنی ہوتی ہے۔(۲)

سوتیلی ماں اور سوتیلی اولاد کے حقوق

اگر کسی شخص کی بیوی کا انتقال ہوجائے اور وہ اپنے لئے بیوی کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کا نکاح کر لینا مستحب ہے، اور بچوں کو بھی اس میں تعاون کرنا چاہئے، کیوں کہ یہ بھی باپ کی خدمت کا حصہ ہے، یہی حکم اس عورت کے لئے بھی ہے جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو اور وہ اپنے لئے شوہر کی ضرورت محسوس کرتی ہو؛ کیوں کہ عمر رسیدہ

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۹/ ۴۱۰، جامع الفتاوی: ۳/ ۲۶۸

(۲) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۵۸

لوگوں کو بھی اپنے لئے غمگسار اور رفیق کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوتیلی اولاد بھی بہت سے احکام میں اولاد ہی کے حکم میں ہے، سوتیلے لڑکے اورلڑکیاں بھی محرم ہوتے ہیں، اس لئے دوسری بیوی کو پہلے گھر کے بچوں کے ساتھ وہی سلوک رکھنا چاہئے ، جو ایک ماں کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے، اسی طرح پہلی بیوی کے بچوں کا بھی فریضہ ہے کہ وہ اپنے والد کی اس دوسری بیوی کو ماں کا درجہ دیں اور والد اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوتو اس کے اخراجات بھی انہی بچوں کے ذمہ ہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔

❁❁❁❁❁

اعتقادات میں اطاعت کا ضابطہ

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت تراش، بت فروش ہی نہیں؛ بلکہ بت پرست بھی تھے، اللہ جل جلالہ نے اپنے خلیل پر توحید کو کھولا، بہت ہی ادب واحترام اور عام فہم انداز میں وہ دعوت دیتے رہے، بالآخر سلیقہ مندی کے ساتھ علاحدگی اختیار کر لی۔
- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سینکڑوں واقعات بتلاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مذہب پر مکمل استقامت، بے ایمان رشتہ داروں کے ساتھ کیسی با اخلاق متأثر کن زندگی گذاری، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضرت ابوقحافہ مسلمان ہوئے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ انہیں کے ذریعہ مسلمان ہوگئیں۔
- مشرکانہ کافرانہ مذہبی تہواروں میں (جیسے گنیش، دیوالی، کرسمس وغیرہ) بالخصوص جہاں مورتی پوجا ہوتی ہو یا چڑھاوا کھلایا جاتا ہو، اس میں شرکت ہرگز نہیں کی جاسکتی ہے، اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کفر سے نفرت ہے، کافر سے نہیں، مرض سے نفرت ہے مریض سے نہیں، البتہ غیر مسلم افراد خاندان کی بیماری میں عیادت، وبائی امراض، سیلاب، زلزلوں میں ضرور امداد کرنی چاہئے، مصیبتوں میں کام آنے سے دل کے دروازے کھل جاتے ہیں، نہ جانے ہدایت کا وقت کب آجائے، فاصلے رکھ کر اصلاح کیسے ہوگی، صحیح اسلام ان کے سامنے کب آئے گا؟

مشرکانہ اعمال میں جیسے اطاعت سے روکا گیا ہے، اتنا ہی جائز امور میں دلجوئی

اور تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ تا کہ اسلام کا معتدل نظام، مذہبی رواداری، انسانیت نوازی، کا پیغام ان کو قریب کر سکے۔

اسلام اور کفر دو ایسے متضاد نظریئے ہیں جن میں کبھی تال میل نہیں ہو سکتا، تاہم کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ بھی انسان ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، پھر والدین، ہم وطن، پڑوسی ہونے کے ناطے عائد ہونے والے اسلامی حقوق ادا کرنے کی فکر کرنا چاہئے، نظریۂ کفر سے نفرت کافر کی بے اکرامی کی طرف ہمیں نہ لے جائے، کفر پر ہمیشہ ہمیش کی جہنم وہ سزا ہے جو ہمیں اس پر ترس کھانے والا بناتی ہے۔

- چہلم دہم کے اصرار پر ایصال ثواب کا جائز طریقہ بتلایا جائے، بجائے دسویں یا چالیسویں دن کے آگے پیچھے کسی دن مستحقین کو کھلا دیا جائے، مصلحت ہو تو قریبی رشتہ داروں کو بھی بطور صلہ رحمی کے شامل کر لیں۔

خارج از اسلام مذاہب جیسے قادیانی، بہائی، شیعہ، آغاخانی، بوہرے، شکیلی کے جیسے مذاہب کے ماننے میں ماں باپ کی اطاعت نہیں ہو سکتی، اس طرح داخل اسلام مگر اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج فرقوں کے نظریات میں کافی لچک ہے، معاملہ فہمی اور حکمت سے اس طور پر نبھانا چاہئے کہ کوئی گمراہی بھی نہ ہو اور والدین کی دلجوئی بھی ہو جائے۔ گہرا علم اور تجربہ رکھنے والے علماء کرام سے پوچھ کر کرنا ضروری ہے۔

- نکاح کی تقریب سے پہلے خود یا کسی مناسب شخصیت کے ذریعہ اسلامی شادی کا طریقہ رسومات کی تباہ کاریاں بتلائیں، بعض دین پسند دوستوں نے کوشش کی تو لڑکی پر سے شادی کے کھانے کا بوجھ ختم کر دیا۔

مجلس نکاح بعد نماز عصر فوراً یا بوقت چاشت رکھا کہ کھانے کی ضرورت نہ ہو آنے والے مہمان قریب کے رہنے والے ہوں کہ وقت کا کھانا اپنے مقام پر کھا سکیں بغیر کسی طلب کے پوری خوش دلی سے لڑکی والوں نے ہی انتظام کر دیا، صبح دس نکاح اور رخصتی شام میں ولیمہ، دعوتِ طعام۔

والدین کی ذہن سازی اتنی کی گئی کہ انہوں نے جوڑے کی رقم کا مطالبہ چھوڑ دیا، مہر نقد ادا کیا، عورتوں کے طعام گاہ میں خواتین خادمات مقرر کیں، وقت کی پابندی کی اور شادی گھر رات دس بجے سے پہلے چھوڑ دیا، اپنے ساتھ کچھ اور مستحق بہنوں کا نکاح بھی کروایا۔

اس قسم کے مواقع پر بہت نرمی اور مضبوطی سے جمنا پڑتا ہے، اچھے اچھوں کے قدم پھسل جاتے ہیں، کھانے کی اقسام یا جائز خواہشات میں کچھ ڈھیل دیں؛ مگر ناجائز پر ہرگز تعاون نہ کریں۔

- ڈاڑھی ایک مشت سے کم کاٹنا حرام ہے، ٹخنے کے نیچے ازار، شلوار بھی ناجائز ہے، ایسے مسائل میں بھی والدین کی بات ماننا ممنوع ہے، پتلون، سفاری جیسے لباس اگر ڈھیلے اور ٹخنوں سے اوپر ہوں تو پہننا جائز ہے، اگر والدین یا کمپنی کی خواہش ہو تو اس کو پورا کرسکتے ہیں، گہرائی سے جائزہ لے کر ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ماں باپ اور اولاد کا جھگڑا حرام حلال کا ہے، یا مکروہ ومستحب کا ہے۔
- کافر ہوں یا بداعتقاد؛ بلکہ کفر پر مجبور بھی کریں تب بھی بدتمیزی کی اجازت نہیں "وصاحبهافی الدنیامعروفا" خلاصہ یہ ہے کہ دین شکنی نہ ہو، دل شکنی بھی نہ ہو، کوشش کے باوجود دونوں جمع نہیں ہوسکتے تو حرام وحلال میں دل شکنی گوارا کرلی جائے گی، مگر دین شکنی گوارا نہیں، شرکیات وبدعات سے حفاظت ہوجائے اور رشتے بھی متاثر نہ ہوں۔

والدین کی زیارت کے لئے جانا

والدین اگر اولاد کے گھر میں نہ رہتے ہوں، خواہ شہر میں ہوں یا کسی دوسرے وطن میں اولاد کی ذمہ داری ہے کہ ان کے احوال کا جائزہ لیتی رہے، ان کی خدمت اور نفقہ کا انتظام کرتی رہے، جیسے بعض مرتبہ اولاد نوکری کے لئے دوسرے شہر چلی جاتی ہے، کبھی دوسرے ملک چلی جاتی ہے، اور والدین اس پر راضی ہوں تو بھی اولاد کی ذمہ

داری ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کی حتی الامکان کوشش کرتی رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو جہاد سے واپس کردیا کہ والدین کی خدمت میں رہے: "الزمهما، فإن الجنة تحت أرجلهما" (۱)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے والدین سے نہ ملنا اور ان کو چھوڑ دینا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ حرام ہے، بعض دفعہ انسان بیوی کی بات مان کر ماں باپ سے ملنا جلنا چھوڑ دیتا ہے ایسا درست نہیں ہے۔ بیوی کی اس بات کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے اور خود وہ عورت بھی شوہر کو والدین سے ملنے سے روکنے کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔ (۲)

ہفتہ میں ایک دفعہ لڑکی اپنے والدین کی زیارت کے لئے جاسکتی ہے، مگر زیارت کرکے چلی آئے والدین جب چاہیں لڑکی کو دیکھنے کے لئے اس کے مکان پر جاسکتے ہیں۔

"لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على إتيانها... ويمنعهم من الكينونة" (۳)

والدین کی قبر کی زیارت کرنا

والدین کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی قبر کی زیارت کرتا رہے اور ایصال ثواب کا اہتمام رکھے، جس طرح دنیا میں بحالت حیات ان کی خدمت میں حاضری اور ضروریات کی تکمیل کرنا چاہئے اسی طرح بعد الوفات وہ ثواب کے محتاج ہیں اس ضرورت کی بھی تکمیل کا خیال رکھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) کتاب الفتاوی: ۹/ ۳۵۳

(۲) المعجم الكبير للطبرانی، حدیث نمبر: ۲۲۰۲

(۳) الدر المختار، کتاب الطلاق: ۳/ ۶۰۲، ۶۰۳، دار الفکر، بیروت، فتاوی محمودیہ: ۱۹/ ۳۶، امداد المفتین: ۱/ ۶۷۱

اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر جب اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے تو والدہ کی قبر کے پاس بیٹھ کر بے اختیار رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتے دیکھ کر بے اختیار رو پڑے:

"استأذنت ربي في أن استغفر لها، فلم يؤذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها، فأذن لي، فزوروا القبور، فإنها تذكر الموت"(۱)

البتہ یہ روایت جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ: جو شخص ہر جمعہ کے دن اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور وہاں سورۂ یٰس پڑھے تو اس شخص کی مغفرت ہوجائے گی: "من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل يوم الجمعة فقرأ عنده يس غفر له"(۲) موضوع ہے، اس کے راوی عمرو بن زیاد کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: "عمر بن زياد الثوباني يضع الحديث"(۳) حافظ ذہبی نے بھی اس راوی کو ایک روایت کا گھڑنے والا قرار دیا ہے۔(۴) اور فرمایا: "وهو كذاب"(۵)

والدین کی عیادت کرنا

والدین اگر بیمار ہوجائیں خواہ وہ کافر ہوں، فاسق ہوں، گناہ گار ہوں، لیکن اولاد کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تیمارداری کرے، خصوصاً جب مرض الوفات ہو تو کسی طرح کی کوتاہی شرعاً درست نہیں ہے، جب ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ اس کی عیادت کرے تو پھر والدین اگر بیمار ہوں تو کس قدر ان کا حق بنتا ہے کہ ان کی عیادت کی جائے۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۹۷٦

(۲) کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۵۴۸٦، مؤسسة الرسالة، بيروت ۱۴۰۵ھ، ابن عدي عن أبي بكر

(۳) الضعفاء والمتروكون: ۳۹۱، ۳۰۵

(۴) ميزان الاعتدال: ۲٦۱/ ۳ ت ۶۳۷۱

(۵) تلخيص كتاب الموضوعات للذهبی: ۹۰ /۱ ح ۳۳۰

لڑکی کا اپنے والدین کی قبر پر جانا

اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ کیا عورت قبرستان جا سکتی ہے؟ اور اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں، مسلک حنفی، مالکی اور ایک قول شوافع وحنابلہ کا یہ ہے کہ عورت کا قبرستان جانا درست ہے، البتہ بکثرت جانا منع ہے:

"وتتبع المرأة جنازة زوجها ووالدها وولدها وأخيها إذا كان يعرف أن مثلها تخرج على مثله" (۱)

دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے قبروں پر حاضری سے منع فرمایا تھا بعد میں اجازت مرحمت فرمادی، اور اس اجازت میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں: "نهيتكم عن زيارة القبور فزورها" (۲) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گذرے جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور صبر سے کام لو، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانا تو کہنے لگی: تمہیں مجھ سے کیا مطلب، مصیبت مجھ پر آئی ہے، تمہیں کیا اندازہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گذر گئے، لوگوں نے کہا کہ تجھے نصیحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، وہ شرمندہ ہو کر دربار میں حاضر ہوئی، اور عذر خواہی کرنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مصیبت پہنچتے ہی صبر سے اجر ملتا ہے۔

"مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي. قَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّي، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيبَتِي، وَلَمْ تَعْرِفْهُ، فَقِيلَ لها: إِنَّه النَّبِيُّ، فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِينَ، فَقَالَتْ: لَمْ أَعْرِفْكَ، فَقَالَ: إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الأُولَى" (۳)

---

(۱) التهذيب فی اختصار المدونة للبراذعی، دار البحوث للدراسات الإسلامية وإحياء التراث: ۳۴۵/۱

(۲) صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربه عزوجل فی زيارة قبر أمه، حدیث نمبر: ۹۷۷

(۳) صحيح بخاری، كتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۸۳

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو قبر پر حاضری دینے سے منع نہیں فرمایا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کا قبر پر حاضری دینا درست ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا مقام حبشہ میں انتقال ہوا تو آپ کو مکہ مکرمہ لا کر دفن کیا گیا، جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی قبر پر تشریف لائیں تو (اشعار میں) فرمایا:

وكُنَّا كَنَدْمَانَي جَذِيمَةَ حِقْبَةً
مِنَ الدَّهرِ حَتَّي قِيلَ لَنْ يتَصَدَّعَا
فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِي وَمَالِكًا
لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَم نَبِتْ لَيلَةً مَعَا

''ہم جذیمہ بادشاہ کے دو مصاحبوں کی طرح عرصہ دراز تک اکٹھے رہے یہاں تک کہ کہا گیا ہر گز جدا نہیں ہوں گے، پس جب جدا ہو گئے تو گویا کہ مدت دراز تک اکٹھا رہنے کے باوجود میں اور مالک نے ایک رات بھی اکٹھے نہیں گزاری''۔

پھر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتی تو تمہیں وہیں دفن کراتی جہاں تمہارا انتقال ہوا اور اگر میں حاضر ہوتی تو تمہاری زیارت نہ کرتی:

"ثُمَّ قَالَتْ: وَاللهِ، لَوْ حَضَرْتُكَ مَادُفِنْتَ إِلَّا حَيثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَازُرْتُ"(۱)

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے واپس تشریف لا رہی تھیں میں نے اُن سے عرض کیا: اُم المؤمنین! آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟ فرمایا: اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قبر

---

(۱) الترمذي في السنن، كتاب الجنائز، باب ماجاء في زيارة القبور للنساء: ۳/۳۷۱، حدیث نمبر: ۱۰۵۵، مستدرك حاكم: ۳/۵۴۱، حدیث نمبر: ۶۰۱۳، مجمع الزوائد: ۳/۶۰

سے، میں نے عرض کیا: کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع نہیں فرمایا تھا؟ اُنہوں نے فرمایا: ہاں! پہلے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں رخصت دے دی تھی۔

"أنّ عائشة ﷺ أقبلتْ ذاتَ يومٍ منَ المقابِرِ، فقلْتُ لها: يا أُمّ المؤمنِينَ، مِنْ أينَ أقبلْتِ؟ قالَتْ: مِنْ قبرِ أخِي عبْدِ الرّحمنِ بْنِ أبِي بكْرٍ، فقلْتُ لها: أليسَ كانَ رسُولُ الله ﷺ نهى عنْ زِيارةِ القُبُورِ؟ قالَتْ: نعمْ، كانَ نهى ثُمّ أمرَ بزِيارتِها" (۲)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ ﷺ ہر جمعہ کو حضرت حمزہ ﷺ کی قبر پر حاضری دیتی تھیں آپ وہاں دعا کرتیں اور گریہ وزاری کرتی تھیں:

"أنّ فاطِمةَ بِنْتَ النّبِيّ ﷺ كانَتْ تزُورُ قبرَ عمّها حمزَةَ كُلّ جمعَةٍ فتُصلّي وتبْكِي عِنْدَه" (۲)

شوافع وحنابلہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

"وأما النساء فقال المصنف وصاحب البيان: لا تجوز لهن الزيارة ... والذي قطع به الجمهور أنها مكروهة لهن كراهة تنزيه، وذكر الروياني في البحر وجهين: (أحدهما) يكره كما قاله الجمهور (والثاني) لا يكره، قال: وهو الأصح إذا أمن عندي الافتنان" (۳)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی

---

(۱) مستدرك حاكم، كتاب الجنائز: ۵۳۲/۱، حدیث نمبر: ۱۳۹۲، السنن الكبري للبيهقى: ۱۳۱/۴، حدیث نمبر: ۷۲۰۷

(۲) مستدرك حاكم، كتاب الجنائز: ۵۳۲/۱، حدیث نمبر: ۱۳۹۶، السنن الكبري للبيهقى: ۱۳۱/۴، حدیث نمبر: ۷۲۰۸

(۳) المجموع شرح المهذب للنووى: ۲۸۵/۵

عورتوں پر لعنت فرمائی: "لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ" (۱)۔

قرطبی نے کہا یہ لعنت کثرت سے زیارت کرنے والیوں کے لئے ہے جیسا کہ صفت مبالغہ کا تقاضا ہے (یعنی زَوَّ ارات مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں کثرت سے زیارت کرنے کا معنی پایا جاتا ہے) اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ (بار بار) قبروں پر جانے سے شوہر کے حق کا ضیاع، زینت کا اظہار اور بوقتِ زیارت چیخ و پکار اور اس طرح کے دیگر ناپسندیدہ اُمور کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب ان تمام ناپسندیدہ اُمور سے اجتناب ہو جائے تو پھر رخصت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مرد اور عورتیں دونوں موت کی یاد کی محتاج ہیں:

"هذا اللّعن إنّما هو للمكثرات من الزيارة لما تقتضيه الصفة من المبالغة، ولعلّ السبب ما يفضي إليه ذلك من تضييع حق الزوج، والتبرج، وما ينشأ منهن من الصّياح ونحو ذلك. فقد يقال: إذا أمن جميع ذلك فلا مانع من الإذن، لأن تذكر الموت يحتاج إليه الرّجال والنّساء" (۲)

حاصل یہ کہ اگر بدعات وخرافات سے اجتناب کرتے ہوئے کبھی کبھار حاضری ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، چونکہ موت کی یاد دہانی کی ضرورت عورتوں کو بھی ہے، اس لئے منکرات سے اجتناب کرتے ہوئے حاضری کی اجازت ہے۔

مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ عورتوں میں تحمل کم ہوتا ہے، قبروں کو دیکھ کر بسا اوقات بے صبری کی حالت میں رونا چلانا، کپڑے پھاڑنا، منہ پیٹنا وغیرہ حرکات شروع کر دیتی ہیں، نیز مطلقا عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ ہے، اور اس

---

(۱) مسند أحمد، حدیث نمبر: ۸۴۴۹

(۲) فتح الباري لابن حجر: ۱۴۹/۹، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوی دارالعلوم زکریا: ۲۷۲۶/۳-۶۷۶/۳

میں مفاسد کثیرہ ہیں، اسلئے ممنوع ہے، دوسری جگہ فرماتے ہیں: کہ جائز تو ہے؛ لیکن نہ جانا ہی بہتر ہے۔(۱)

مولانا یوسف لدھیانوی ؒ فرماتے ہیں کہ جوان عورتوں کا قبرستان جانا مطلقا منع ہے، بوڑھی عورتیں اگر باپردہ جائیں اور وہاں کوئی خلاف شرع کام نہ کریں تو ان کے لئے جائز۔(۲)

والدین کے لئے ایصال ثواب کا حکم

اولاد کا اپنے والدین کی طرف سے حدحج بدل کرنا یا والدین کے ایصال ثواب کے لئے حج یا عمرہ یا طواف کرنا جائز ہے، بلکہ اولاد کو اپنے والدین کے لئے مختلف نیک اعمال کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔(۳)

مسلمان والدین کے لئے دعا کرنے کا حکم

اولاد کی طرف سے مسلمان والدین کے لئے دعا کرنے سے والدین کو ثواب حاصل ہوتا ہے خواہ والدین زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔(۴)

غیر مسلم والدین کے لئے استغفار

اگر کسی کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک نعوذ باللہ غیر مسلم ہو تو اس کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں، البتہ ان کے فوت ہونے سے پہلے ان کے لئے ہدایت اور صحت وعافیت کی دعاء کرنا جائز ہے، یہی حکم والدین کے علاوہ دیگر رشتہ داروں اور اجنبی غیر مسلم لوگوں کا بھی ہے۔(۵)

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۹/ ۱۹۱، ۹/ ۲۰۲ دارالافتاء، جامعہ فاروقیہ کراچی

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۴۰۶

(۳) حوالہ سابق: ۱۷۴

(۴) حوالہ سابق: ۱۷۴

(۵) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام ۴۵۴:

والدین کے قدم چومنا

حدیث میں ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے والدہ کے سامنے احتراماً جھکنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: زبان سے سلام کر دینا کافی ہے۔(۱)

تو جب جھکنے سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا تو ظاہر ہے کہ پاؤں چھونے اور قدم بوسی کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؛ چنانچہ اس طرح کے ایک مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ عبادت اور تعظیم کے طریقہ پر ایسا کرنا تو کفر ہے اور بہ طور ملاقات (سلامی) کے کفر تو نہیں؛ البتہ وہ گنہگار اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

"علی وجه العبادة والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار أثما مرتكبا الكبيرة" (۲)

امداد المفتیین میں لکھا ہے کہ

''اس میں علماء کا اختلاف ہے ترک بہر حال سب کے نزدیک اولیٰ ہے، اور ان کے سامنے زمین پر گرنا یا زمین چومنا یہ سب کے نزدیک حرام ہے:

"(طلب من عالم أو زاهد أن) يدفع إليه قدمه و(يمكنه من قدمه ليقبله أجابه، وقيل: لا) يرخص فيه وكذا مايفعلونه من (تقبيل الأرض بين يدي العلماء) والعظماء فحرام الفاعل والراضي به أثمان لأنه يشبه عبادة الوثن" (۳)

(۱) سنن ترمذی، باب السلام، حدیث نمبر: ۲۷۲۸، محشی الاذکار للنووی، ص: ۳۴۱

(۲) الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۶/ ۳۸۳، دار الفکر، بیروت، مستفاد: کتاب الفتاوی: ۱/ ۳۳۳-۳۳۴، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ

(۳) شامی: کتاب الحظر والإباحة: ۶/ ۳۸۳، دار الفکر، بیروت، امداد المفتیین: ۲/ ۳۲۹، زکریا دیوبند

مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص واجب الاکرام ہو، اس کی قدم بوسی کی اجازت ہے، لیکن اعتقاد میں غلو نہ ہو اور سجدہ کی ہیئت نہ ہونے پائے۔(۱)

نیز دوسری جگہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ پاؤں کے چومنے میں بسا اوقات سجدہ کی صورت ہو جاتی ہے، نیز دوسروں کے عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہے کہ وہ تعظیم میں غلو کریں گے؛ لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔(۲)

مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ اس حوالہ سے فرماتے ہیں کہ

> ''قدم بوسی فی حد ذاتہ جائز ہے، تقبیل ید وقدم میں بحیثیت نفس تقبیل کے کوئی فرق نہیں اور دست بوسی اور قدم بوسی کا جواز متعدد احادیث سے ثابت ہے، ادعائے تخصیص غیر موجہ ہے مجوزین نے اسی حکم اصلی کی بناء پر جواز کا فتوی دیا، لیکن مانعین نے قدم بوسی کو سجدہ کا ذریعہ اور دواعی قرار دے کر سدًا للباب ممانعت کا حکم لگا دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام ایسے معاملات میں اکثر طور پر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، پس واقف اور خاص آدمی کے لئے قدم بوسی میں مضائقہ نہیں اور عوام کو اجازت نہ دینا ہی احوط ہے''(۳)

اسی طرح والدین کی قبر کا بوسہ لینا بھی جائز نہیں ہے۔(۴)

والدین کے پاؤں چھونا

پیر پکڑنے کو پیر لاگن بھی کہتے ہیں، یعنی صرف پیروں کو چھو لینا، یہ برہمنوں کے یہاں تعظیم کا رواج ہے اور ان کا شعار ہے اس سے پرہیز لازم ہے، نیز اوپر گذر چکا کہ

---

(۱) فتاوی محمودیہ:۱۹/۱۲۶، ۱۹/۱۲۹، دار الافتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی

(۲) فتاوی محمودیہ:۱۹/۱۳۱

(۳) کفایت المفتی:۹/۱۱۵

(۴) خیر الفتاوی:۳/۲۲۴، فتاوی مولانا عبد الحی، ص:۲۳، فتاوی محمودیہ:۱۹/۱۳۱، ۱۰، ۱۳۵، فتاوی دار العلوم دیوبند:۱۷/۲۱۸

حدیث میں والدہ کے سامنے احتراما جھکنے سے بھی منع کیا گیا ہے تو بدرجہ اولیٰ پاؤں چھونا جائز نہ ہوگا۔(۱)

حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر اقواعد سے تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ اگر ممسوح متبرک متقی ہو اور ماسح صحیح العقیدہ ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعظیم کے لئے ماں کے پیروں کو چھونا قرآن پاک کی کسی آیت اور حدیث شریف کی کسی روایت میں نہیں دیکھا، یہ اسلامی تعظیم نہیں؛ بلکہ غیروں کا طریقہ ہے، جس سے بچنا چاہئے، نیز اس میں جھکنا پڑتا ہے جس سے رکوع اور سجد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے یہ درست نہیں۔(۲)

تعظیم میں کھڑے ہونا

والدین، استاذ، اہل علم یا دوسرے قابل تعظیم افراد کے لئے کھڑا ہونا بغرض اکرام جائز ہے؛ بلکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اسے مستحب لکھا ہے:

"عن أبي سعيد أن أهل قريظة نزلوا على حكم سعد فأرسل النبي ﷺ إليه فجاء فقال: قوموا إلى سيدكم"(۳)

کیا باپ کے کہنے سے مرشد کو چھوڑ دیں؟

مرشد کی صحبت سے جب لڑکے کو بہت فائدہ ہو رہا ہے، جہالت ختم ہو رہی ہے، معرفت تقوی حاصل ہو رہا ہے، جو کہ واجب درجہ کی چیز ہے، اور والد اپنی جہالت کے باعث لڑکے کو مرشد کے پاس جانے سے روک رہے ہیں تو والد کی اطاعت میں ترک لازم آرہا ہے اور ترکِ واجب میں والد کی اطاعت نہیں ہے:

---

(۱) جامع الفتاوی: ۲۶/۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، پاکستان، مرتب: مفتی مہربان علی صاحب

(۲) فتاوی محمودیہ: ۱۳۲/۱۹

(۳) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ۶۲۶۲، اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۳۱۰/۵، فتاوی عثمانی: ۲۹۵/۱، جامع الفتاوی: ۳۵۹/۲

"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"(۱)

البتہ اگر اس مرشد میں خدنخواستہ کوئی شرعی فساد ہے تو ایسی حالت میں اس کی صحبت سے بچنا واجب ہے۔(۲)

کیا والدین کا درجہ استاذ یا پیر سے بڑھا ہوا ہے؟

جسمانی تربیت کی بنا پر والدین کا درجہ زیادہ ہے کہ وہی بنیاد ہے، جمیع کمالات کی اور روحانی تربیت علم وعمل کے اعتبار سے استاذ کرتے ہیں، اگرچہ وہ تربیت بلند ہے؛ لیکن والدین جسمانی تربیت کر کے استاذ کے حوالہ نہ کریں تو استاذ کو تربیت کا موقع کہاں ملے گا؟ (۳) فتاوی دار العلوم دیو بند میں لکھا ہے کہ ماں باپ کا حق زیادہ ہے:

"وقال الزندويسي: حق العالم على الجاهل وحق الأستاذ على التلميذ واحد على السواء الخ، وحق الزوج على الزوجة أكثر من هذا الخ"(۴)

اس کا حاصل یہ ہے کہ عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر برابر ہے اور شوہر کا حق زوجہ پر اس سے زیادہ ہے اور ظاہر ہے کہ والدین کا حق اس سے زیادہ ہے، پس معلوم ہوا کہ والدین کا حق اس حیثیت سے زیادہ ہے، اگرچہ بعض حیثیت سے استاذ کا حق زیادہ ہو۔(۵)

والدین کا معذور پیر اور استاذ کی خدمت سے روکنا

اگر کسی شخص کے پیر یا استاذ دائم المرض ہوں اور بسبب کمزوری مرض وتقاضائے عمر طبعی معذوری بھی اتنی ہو کہ ہمہ وقت دوسروں کی خدمت کے محتاج ہوں اور بالکل تنہا،

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: ۱۸/ ۲۴۷، حدیث نمبر: ۳۳۷۱۷

(۲) مستفاد: امداد الفتاویٰ جدید: ۱۱/ ۲۰۱، فتاوی رشیدیہ: ۶۱۹

(۳) فتاوی محمودیہ: ۲۴/ ۳۰۰

(۴) شامی: ۶/ ۷۵۶، دار الفکر، بیروت

(۵) فتاوی دار العلوم دیو بند: ۱۶/ ۵۰۷

نہ بیوی، نہ بچے، شاگرد یا مریدان کی خدمت کرنا چاہیں اور والدین اس سے روکنا چاہیں تو ان کو روکنے کا حق نہ ہوگا؛ کیوں کہ اگر کوئی غیر آدمی بھی خدمت کا ایسا محتاج ہو کہ اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس کی بھی خبر گیری کا حکم ہے:

"لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ: يَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ..."(۱)

بشرطیکہ اس خدمت کی وجہ سے والدین کی خدمت اور رویہ میں فرق نہ آتا ہو۔(۲)

اولاد کو عاق کرنا

عوام میں یہ مشہور ہے کہ عاق کرنا اس کو کہتے ہیں کہ لڑکے کو اپنے نسب سے خارج کر دیا جائے، نتیجۃً وہ لڑکا وراثت سے بھی محروم ہو جائے، یہ بے اصل اور بے بنیاد ہے، کیوں کہ والدین اور اولاد کا رشتہ فطری ہوتا ہے یہ کسی عقد اور معاملہ کی وجہ سے وجود میں نہیں آتا ہے، جو رشتہ عقد اور طرفین کی رضامندی سے قائم ہوتا ہے، اس کو ختم کیا جا سکتا ہے، جیسے میاں بیوی کا رشتہ جو نکاح کے ذریعہ وجود میں آتا ہے، والدین اور اولاد کا رشتہ اس نوعیت کا نہیں ہے، یہ اٹوٹ اور نہ ختم ہونے والا رشتہ ہے، اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو گود لے لے تو اس سے باپ بیٹے کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا، اور اگر باپ حقیقی بیٹے سے اپنا رشتہ کاٹنا چاہے تو وہ رشتہ ختم نہیں ہو سکتا، اس لئے عاق کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، شرعاً یا قانوناً اس کا کوئی اثر بھی نہیں پڑے گا، جب کہ وہ بھی اپنے باپ کے ترکہ سے وارث ہوگا۔

عاق کے معنی نافرمان کے ہیں، گویا باپ کی طرف سے یہ بیٹے کے نافرمان ہونے کا اعلان ہے اور اس سے زیادہ بد بخت کون ہوگا کہ جس کے ماں باب اس سے ناراض ہو کر اس کے نافرمان ہونے کا اعلان کرنے پر مجبور ہو جائیں۔(۳)

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب الأدب، باب ما جاء في تشميت العاطس، حدیث نمبر: ۲۷۳۷

(۲) فتاوی محمودیہ: ۱۹/ ۲۹

(۳) دیکھئے: کتاب الفتاوی: ۹/ ۳۶۱، فتاوی عزیزیہ کامل: ۴۱۷

عبادات میں اطاعت کا ضابطہ

وضو کے پانی میں ایثار

ایثار اخلاقِ عظیمہ میں سے ہے، ایک مسلمان میں یہ صفت ہونی ضروری ہے، لیکن عبادات میں ایثار درست ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً نماز کا وقت آ گیا، اور پانی اتنا ہی ہے کہ ایک شخص اس سے وضو کر سکتا ہے، تو کیا اولاد کو یہ اجازت ہے کہ وہ وضو کا پانی والد یا والدہ میں سے کسی کے حکم پر ایثار کر دے؟ اس سلسلہ میں فقہائے احناف یہ فرماتے ہیں کہ اولاد پانی کے استعمال میں اپنے والد کو ترجیح دیں: "قال في المعراج: والأب أولى من ابنه لجواز تملكه مال ابنه" (۱) اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہ ہے کہ بیٹا خود پانی استعمال کرے گا، اور والدین پر ایثار نہیں کرے گا۔ چنانچہ مذہب شافعی میں لکھا ہے: "لأنه محتاج إليه لنفسه، فلا يجب عليه أن يبذله لغيره" (۲) اور مذہب مالکی میں ہے کہ "إذا وجد الرجلا في السفر من للماء كفاية أحدهما فيتشاحان عليه يتقاومانه" (۳) اور مذہب حنبلی میں لکھا ہے کہ پانی جس کے پاس ہے وہ اس کا حقدار ہے، دوسرے پر ایثار کرنا جائز نہیں ہے: "إن كان الماء لأحدهم فهو أحق بهم، ولا يجوز بذله لغيره" (۴)

---

(۱) درمختار مع ردالمحتار: ۱/ ۲۵۴، دار عالم الکتب، ریاض

(۲) البيان في مذهب الإمام الشافعي لعمراني: ۱/ ۳۰۰، دار المنهاج، جده

(۳) الذخیرۃ العقبی للقرافی: ۱/ ۳۶۸، دار الغرب الاسلامی

(۴) الانصاف للمرداوی: ۱/ ۳۰۸

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حدیث: "أنت ومالك لأبيك" کی وجہ سے والد کو اولاد کے مال پر ملکیت حاصل ہے، لہٰذا اگر اولاد کے پاس پانی ہے تو اس پر والد کی ملکیت حاصل ہے، لہٰذا اولاد کو چاہئے کہ وضو میں والد کو ترجیح دیں، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ایثار اپنے ذاتی معاملات میں درست ہے لیکن عبادات میں ایثار درست نہیں ہے خواہ وہ والد ہو یا کوئی اور، یہی اختلاف، سترعورت میں ایثار، صف اول میں ایثار وغیرہ میں ہے، چونکہ عبادات کا مقصد اللہ رب العزت کی تعظیم ہے اور کوئی شخص اس عبادت کو ترک کرتا ہے تو گویا تعظیم رب سے روگردانی کر رہا ہے، اور تعظیمِ رب سے روگردانی جائز نہیں ہے، لہٰذا ایثار فی القرب بھی جائز نہیں ہے۔

حالتِ نماز میں بلانے پر جواب دینا

نماز بندہ اور رب کے درمیان ملاقات اور گفتگو کا ذریعہ ہے، اور دین میں رکنِ اعظم ہے، اگر کوئی شخص نماز میں ہو اور اسکے والدین میں سے کوئی آواز دے تو نماز ترک کر کے آواز دینا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ آدمی یا تو فرض نماز میں ہوگا یا نفل نماز میں، والدین کو نماز میں ہونے کی اطلاع ہوگی یا نہیں ہوگی، اس طرح اس مسئلہ کی چار شکلیں بنتی ہیں ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو:

الف) اگر وہ شخص فرض نماز میں ہو خواہ والدین کو نماز میں ہونے کی اطلاع ہو یا نہ ہو، بہر صورت باتفاقِ ائمہ فرض نماز مکمل کرنا فرض ہے، نماز توڑ کر جواب دینا جائز نہیں ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی شامی میں لکھا ہے کہ لڑکے کو نماز کی حالت میں والدین میں سے اگر کوئی آواز دے تو جواب نہ دے الّا یہ کہ وہ کسی مصیبت کی حالت میں مدد کے لئے پکار رہے ہوں:

"وَلَوْ دَعَاهُ أَحَدُ أَبَوَيْهِ فِي الْفَرْضِ لَا يُجِيبُهُ إِلَّا أَنْ يَسْتَغِيثَ بِهِ. وَفِي النَّفْلِ إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ فَدَعَاهُ لَا يُجِيبُهُ وَإِلَّا أَجَابَهُ" (۱)

---

(۱) فتاوی شامی، باب ادراك الفريضة: ۲/۵۱، دار الفکر، بیروت

فقہ مالکی میں لکھا ہے کہ فرض نماز کی حالت میں والدین کی آواز پر جواب نہ دے: "وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يجوزُ لَهُ الْقَطْعُ وَهُوَ الظَّاهِرُ"(۱) فقہ شافعی میں لکھا ہے کہ نماز کی حالت میں والدین کی آواز پر جواب نہ دے، اگر فرض نماز میں ہو تو جواب دینا حرام ہے: "وَلَا تجب إِجَابَة الْأَبَوَيْنِ فِي الصَّلَاة بل تحرم فِي الْفَرْض" (۲) فقہ حنبلی میں لکھا ہے کہ: مصلی فرض نماز کی حالت میں اپنے والدین کی آواز پر کوئی جواب نہ دے:

"(وَيُجِيبُ) الْمُصَلِّي (وَالِدَيْهِ فِي نَفْلٍ فَقَطْ) لِتَقَدُّمِ حَقِّهِمَا وَبِرِّهما عَلَيْهِ، بِخِلَافِ الْفَرْضِ (وَتَبْطُلُ) الصَّلَاةُ (بِهِ) أَيْ بِجَوَابِهِ لِأَبَوَيْهِ لِمَا تَقَدَّمَ" (۳)

حاصل یہ ہے کہ فرض میں کسی کے پکارنے پر جواب دینا درست نہیں ہے خواہ وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ فرض نماز اللہ تعالی کا حق ہے، بندہ اس وقت اللہ کا حق ادا کرنے میں مصروف ہے، اور عبادات میں اللہ کا حق بندہ کے حق پر مقدم ہے، اس لیے اپنی نماز پوری کرنا واجب ہے، اس تفصیل سے فرض کی دونوں صورتوں کا حکم واضح ہو گیا۔

البتہ والدین اگر کسی خاص ضرورت کے لئے بلائیں جس کا جواب نہ دینے پر ضرر (نقصان) لاحق ہوسکتا ہے یا والدین اپنی مدد کے لئے پکاریں تو ایسی ضرورتِ شدیدہ کی بناء پر فرض نماز کو توڑ کر ان کی مدد کرنا اور ان کا جواب دینا جائز ہے:

---

(۱) مواهب الجليل: ۲/ ۳۷، دار الفكر

(۲) الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع: ۱/ ۱۴۹، دار الفكر - بيروت، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج: ۱/ ۴۱۵، دار الكتب العلمية، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج: ۲/ ۴۶، دار الفكر، بيروت، تحفة الحبيب على شرح الخطيب = حاشية البجيرمي على الخطيب: ۲/ ۸۵، دار الفكر، نهاية الزين في إرشاد المبتدئين: ۱/ ۹۲، دار الفكر - بيروت

(۳) كشف القناع: ۱/ ۴۵۱، دار عالم الكتب، رياض

"و"لا" يجب قطع الصلاة "بنداء أحد أبويه" من غير استغاثة لأن قطع الصلاة لا يجوز إلا لضرورة وقال الطحاوي هذافي الفرض"(۱)

نیز فقہ کامشہور قاعدہ ہے"الضرورات تبیح المحظورات"کہ مجبوریاں اورضرورتیں ممنوعات ومحرمات کوبھی جائز کردیتی ہیں تب تو یہ مسئلہ فقط والدین کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ ہرانسان کے لئے عام ہوجائے گا کہ جب کوئی انسان اپنی جان مال یا دشمن سے حفاظت وغیرہ کے لئے پکارے تونماز کوتوڑکراس کی مدد کی جائے۔(۲)

ب) تیسری صورت اور چوتھی صورت کے حکم میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ فقہ حنفی میں تفصیل یہ ہے کہ اگرکوئی شخص نفل نماز میں مشغول ہواوروالدین میں سےکوئی آواز دےتو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ نماز میں مصروف ہونا معلوم ہونے کے باوجود بلایا جارہاہےتو جواب نہ دے اوراگروالدین کواس شخص کا نماز میں ہونامعلوم نہ ہوتونفل نمازتوڑکرجواب دے:

"و"لا" يجب قطع الصلاة "بنداء أحد أبويه" من غير استغاثة لأن قطع الصلاة لا يجوز إلا لضرورة وقال الطحاوي هذا في الفرض وإن كان في نافلة إن علم أحد أبويه أنه في الصلاة وناداه لا بأس بأن لا يجيبه وإن لم يعلم يجيبه"(۳)

فقہ مالکی میں ہے کہ کوئی شخص نماز میں مشغول ہےاوراس کے والدین میں سے کوئی اس سے گفتگوکرنے کے لئے آئےتونماز ہلکی کرلےاورجلدی سےنماز سے فارغ

---

(۱) مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح:۱/۱۳۸،المكتبة العصرية

(۲) نیز دیکھئے اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے:۸/۱۱۳

(۳) مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح:۱/۱۳۸،المكتبة العصرية

ہوکر جواب دے ،اگر ہلکی کرنے کے باوجود گفتگو کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہوتو نماز توڑ کر جواب دے۔

"ومن أتاه أبوه ليكلمه وهو في نافلة فليخفف ويسلم ويكلمه، إلا أن لا يمكنه التخفيف، فيقدم إجابة الوالدين"(۱)

فقہ شافعی میں ہے کہ والدین کے بلانے پر جواب دینا اولاد پر واجب نہیں ہے، البتہ جائز ہے، اور اگر جواب نہ دینے سے انہیں تکلیف ہوتی ہوتو جواب دینا افضل ہے:

"اوَلَا تجب إِجَابَة الْأَبَوَيْنِ فِي الصَّلَاة بل تحرم فِي الْفَرْض وَتجوز فِي النَّفْل وَالْأُولَى الْإِجَابَة فِيهِ إِن شقّ عَلَيْهِما عدمهَا"(۲)

فقہ حنبلی میں ہے کہ نفل نماز میں والدین کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے۔

"يجيب المصلى والديه فى نفل فقط"(۳)

فقہائے امت کی اس تفصیل سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

۱) نفل نماز میں والدین کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے بشرطیکہ والدین کو بچہ کے نماز میں ہونے کا علم نہ ہو، اگر والدین کو اس کا علم ہوتو جواب دینا واجب نہیں ہے، دلیل جریج عابد کا واقعہ جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک عابد جس کا نام جریج تھا اس نے عبادت کے لئے ایک معبد خانہ تعمیر کیا ہوا

---

(۱) مواهب الجليل شرح مختصر خليل: ۳۲۲/۲، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع: ۱۴۹/۱، دار الفكر- بيروت، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج: ۴۱۵/۱، دار الكتب العلمية، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج: ۴۶/۲، دار الفكر، بيروت، تحفة الحبيب على شرح الخطيب = حاشية البجيرمي على الخطيب: ۸۵/۲، دار الفكر، نهاية الزين في إرشاد المبتدئين: ۹۲/۱، دار الفكر- بيروت

(۳) كشف القناع للبهوتى: ۴۵۱/۱، دار عالم الكتب، رياض

تھا۔ایک دن وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی والدہ نے آکر اس کو آواز دی: اے جریج! مجھ سے کلام کرو مگر جریج نماز پڑھتا رہا اور دل ہی دل میں سوچا کہ اے اللہ! (ایک طرف) میری نماز اور دوسری طرف والدہ ہے اب کیا کروں؟ نماز پڑھتا رہوں یا والدہ کی سنوں؟ (پھر وہ نماز میں ہی مصروف رہا)۔والدہ نے جب دیکھا کہ جریج نماز میں لگا ہے میری طرف تو متوجہ ہی نہیں ہورہا تو وہ چلی گئی جب دوسرا دن ہوا تو پھر آئی اتفاق سے اب بھی وہی معاملہ بنا تو وہ لوٹ گئی۔تیسرے دن بھی آئی تو اب بھی جریج کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔اس نے آواز دے کر بلایا مگر جریج متوجہ نہ ہوا اور ناراض ہوکر چلی گئی اور غصہ میں آکر بددعا دی کہ اے جریج تمہیں اس وقت تک موت نہ آئے جب تک تم کسی بدکار عورت کا منہ نہ دیکھ لو۔اس کی دعا قبول ہوگئی۔اس کی تعمیل یوں ہوئی کہ ایک دن جریج عبادت میں مصروف تھا کہ ان کی قوم میں سے ایک بری عورت اس کے پاس آئی اور اپنے ساتھ بدکاری کروانے کا جریج سے کہا مگر اس نے انکار کردیا وہ چلی گئی اور ایک چرواہے سے جا کر اپنی خواہش کی تکمیل کروالی جس سے وہ حاملہ ہوگئی،تو پھر جب اس نے بچہ جنا تو قوم نے پوچھا یہ کس کا ہے؟اس نے جریج کا نام لگادیا۔لوگوں نے غصے میں آکر اس عابد کو بہت مارا اور اس کا عبادت خانہ بھی گرادیا۔جریج نے پوچھا، بھائیو کیا بات ہے؟تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟انہوں نے کہا کہ تم نے اس عورت کے ساتھ بدفعلی کی ہے اور اس نے بچہ جنا ہے۔جریج نے کہا اس بچے کو میرے پاس لاؤ،لوگ لے آئے جریج نے اللہ سے دعا کی پھر اس نے بچے کے پیٹ کو ہاتھ سے ٹھونکا اور پوچھا: یا غلام! اے بچے! من أبوك؟ تیرا باپ کون ہے؟اللہ نے اس بچے کو قوت گویائی بخشی۔وہ بولا "أبي فلان الراعي" میرا باپ فلاں بکریوں کا چرواہا ہے،جریج کی یہ کرامت دیکھ کر لوگ بہت شرمندہ ہوئے اور جریج سے معافی مانگی پھر دریافت کیا کہ اب بتاؤ

تمہارا معبد خانہ سونے کا یا چاندی کا بنا دیں اس نے کہا نہیں بس مٹی کا ہی بنا دو۔

"فأقبلوا على جريج يقبلونه ويتمسحون به، وقالوا: نبني لك صومعتك من ذهب، قال: لا، أعيدوها من طين كما كانت، ففعلوا" (۱)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ جریج پر واجب تھا کہ والدہ کے بلانے پر جواب دیتے، ورنہ اس قدر تہمت اور بدنامی کا سامنا نہ ہوتا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ: نفل نماز کی ابتداء نفل ہے، اور نفل نماز کو مکمل کرنے والا نفل پڑھنے والا ہی شمار ہوگا، اور والدین کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے، تو والدین کے بلانے کے باوجود نفل میں مشغول رہنے والا واجب ترک کر کے نفل میں مشغول رہنے والا ہوا، اس لئے واجب ہے کہ نفل کے مقابلہ میں واجب پر عمل کرے۔ البتہ اگر والدین کو نماز میں مشغول ہونے کا علم ہو تو جواب دینا اس لئے واجب نہیں ہے کہ نماز میں مشغول ہونے کے باوجود بلانا خود معصیت ہے اور معصیت میں والدین کی اطاعت اور موافقت نہیں کی جائے گی، اس لئے جواب نہیں دیا جائے گا۔ (۲)

لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ والدین کا نماز میں ہونے کے باوجود بلانا معصیت کی قبیل سے ہے؟ کیونکہ عموماً والدین بلاضرورت و بلاحاجت نہیں بلاتے ہیں، اور حاجت پر بلانا معصیت نہیں شمار ہوگا، اس لئے علم کی شرط کی یہ دلیل محل نظر ہے؟

اس لئے یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ نفل نماز شروع کرنے بعد مکمل کرنا واجب ہے، اور والدین کے بلانے پر جواب دینا بھی واجب ہے، دونوں واجبوں پر عمل کی یہ صورت رکھی گئی کہ عدم علم کی صورت اجابت والدین کو ترجیح دے اور علم کی صورت میں تکمیل صلوۃ کو ترجیح دے، جس طرح مسلک مالکی میں ہے کہ والدین کے بلانے پر پہلے

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۵۰

(۲) فتاوی شامی: ۲/ ۵۰۴

تخفیف صلوۃ کو ترجیح، اگر ممکن نہ ہو تو قطع صلوۃ کو ترجیح دے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کی توضیح کنز العمال کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"لو كان جريج الراهب فقيها عالما لعلم أن اجابته دعاء أمه أولى عن عبادة ربه" (۱) امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا، ابن مندہ نے اس روایت کو غریب کہا۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۵۷۴ میں بھی حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے اسی طرح شرح فرمائی۔

۲) بہر صورت نفل نماز میں والدین کے بلانے پر جواب دینا واجب ہے خواہ نماز میں مشغول ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک ہے۔ ان حضرات کی دلیل بھی جریج عابد کا قصہ ہے جو گذر چکا۔

۳) نفل نماز کی حالت میں والدین کے بلانے پر جواب دینا جائز ہے، واجب نہیں ہے۔ یہ شوافع کا مسلک ہے، شوافع کی دلیل ہے کہ جب کسی کو نماز میں بلایا گیا تو وہ شخص متردد ہو گیا کہ نماز مکمل کرے یا والدین کا جواب دے، کیونکہ تکمیل صلوۃ صلوۃ کا حق ہے، اور اجابت والدین (والدین کے بلانے پر جواب دینا) والدین کا حق ہے، اس تردد کی وجہ سے اس پر کسی ایک پہلو کو ترجیح دینا واجب نہیں ہے، البتہ والدین کو جواب نہ دینے کی صورت میں تکلیف ہوتی ہو تو اجابت والدین کے پہلو کو ترجیح دے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ اگر اس تردد کا اعتبار شرعاً معتبر ہوتا تو جریج کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہ آتا، اللہ تعالیٰ نے انہیں ابتلاء ترکِ جواب کی وجہ سے کیا۔ (۲)

الحاصل ان تینوں مسالک میں غور کیا جائے تو پہلا مسلک زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں حق اللہ اور حق العبد دونوں جہت کی رعایت کی گئی ہے، جب

---

(۱) کنز العمال، الباب الثامن، فی بر الوالدین، الام

(۲) نیز دیکھئے: اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۸/ ۱۱۳

نماز کی حالت میں جواب دینا واجب ہے ،تو جواب نہ دینا ایذائے والدین اور عقوقِ والدین میں شمار ہوگا اور جواب نہ دینے والا گناہ گار ہوگا۔واللہ اعلم بالصواب

عشاء کی نماز میں میری ماں مجھے پکارتی

مذکورہ بالا مفصل مضمون سے سارے پہلوؤں کا اندازہ ہو چکا ہے کہ کیا کسی نماز میں والدین کے پکارنے پر نماز توڑنا جائز ہے ، یہاں اس حدیث پر بھی روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے، جو بہت سے خطباء نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش میری ماں زندہ ہوتی اور میں عشاء کی نماز کے لئے مصلی پر کھڑا ہوتا اور سورہ فاتحہ شروع کر چکا ہوتا ، ادھر سے میرے گھر کا دروازہ کھلتا اور میری ماں پکارتی محمد! تو میں ان کے لئے نماز توڑ دیتا اور میں کہتا لبیک اے ماں، جاننا چاہئے:

یہ حدیث دو طرح کے الفاظ سے مروی ہے:

۱)"عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "لَوْ أَدْرَكْتُ وَالِدَيَّ أَوْ أَحَدَهما وَأَنَا فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ، وَقَدْ قَرَأْتُ فِيهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ تُنَادِي: يَا محمَّدُ، لَأَجَبْتُهَا: لَبَّيْكِ"(۱)

۲)"لو أدركت والدي أو أحدهما وقد افتتحت صلاة العشاء وقرأت الفاتحة فدعتني أمي: يامحمد! لأجبتها"(۲)

''اگر میں میرے والدین ، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو پاتا جب کہ میں عشاء کی نماز شروع کر کے سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا، اور وہ مجھے پکارے (یا ماں پکارتی) اے محمد! تو میں جوابا: لبیک کہتا''۔

حدیث کا حال یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے نا قابل اعتبار ہے، چونکہ اس میں مدار

---

(۱) شعب الإيمان: ۱۰/ ۲۸۴، حدیث نمبر: ۷۴۹۷، مصنفات ابي جعفر البختري، ص: ۲۱۰، الموضوعات لابن الجوزی: ۳/ ۸۵

(۲) البر والصلۃ لابن الجوزی: ۵۷، کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۵۵۰۰

سند یاسین الزیات ہے، جو ناقدین کے نزدیک تو سخت مجروح ہے، اس کی روایت نکارت سے خالی نہیں ہے،اس روایت کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں ہے۔البتہ اس مضمون کی دوسری احادیث منقول ہیں،لیکن وہ بھی ضعف وانقطاع سے خالی نہیں ہیں مثلاً:

۱)عَنْ محمّدِبْنِ المنْكَدِرِ، قَالَ: قَالَ رَسولُ اللهِ ﷺ : إِذَادَعَتْكَ أُمُّكَ فِي الصَّلَاةِ فأَجِبْهَا، وَإِذَادَعَاكَ أَبوكَ فلَاتجبْهُ (۱)

۲)... الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: قَالَ مَكْحُولٌ: "إِذَا دَعَتْكَ وَالِدَتُكَ وَأَنْتَ فِي الصَّلَاةِ فَأَجِبْهَا، وَإِذَا دَعَاكَ أَبوكَ فَلَاتجبْهُ حَتَّى تَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِكَ (۲)

ابن الملقن توضیح شرح جامع الصحیح (۹/۲۸۶) میں فرماتے ہیں:ابن المنکدر کی مرسل روایات کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے،مکحول کے علاوہ کوئی ان کا قائل نہیں ہے۔

متن کے مذکورہ شواہد بھی اتنے مضبوط نہیں ہیں جو اصل روایت کی تقویت کے قابل ہوں،اس لئے اس حدیث کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔

اگر چہ حدیث کو قابل قبول مان بھی لیا جائے تب بھی اس کا مفہوم فقہاء کرام کے کلام کی روشنی میں پتہ چل چکا ہے کہ نماز توڑنا فرض نماز میں اور نفل میں بھی جبکہ والدین کو پتہ ہو کہ بیٹا نماز میں ہے جائز نہیں۔

فرض نماز چھوڑنے میں اطاعت

ارکانِ اسلام میں سے دوسرا رکن نماز ہے،ام العبادات اور اساس الطاعات ہے،اگر والدین فرض نماز ترک کرنے کا حکم دیں تو اطاعت کرنا اور فرض نماز ترک کرنا

---

(۱) مصنف ابن ابي شيبة: ۲/ ۱۹۲، حدیث نمبر: ۸۰۱۳، مرسل

(۲) شعب الإيمان: ۱۰/ ۲۸۵

جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ: اگر والدین فرض نماز کے ترک کا حکم کریں تو اطاعت درست نہیں ہے، چنانچہ فقہ حنفی میں لکھا ہے: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت درست نہیں ہے، اور ترک صلاۃ معصیت ہے، لہٰذا ترکِ صلاۃ میں والدین کی اطاعت درست نہیں ہے۔(۱)

فقہ مالکی میں لکھا ہے کہ اولاد ترک واجب میں والدین کی اطاعت نہیں کرے گی: "لا يطيع الولد والديه في ترك واجب" (۲) فقہ شافعی میں لکھا ہے کہ والدین کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اولاد کو ترک صلوۃ کا حکم دیں: "ليس للوالدين منع الولد من الصلاة" (۳) فقہ حنبلی میں لکھا ہے کہ معصیت کے علاوہ امور میں والدین کی اطاعت واجب ہے، لہٰذا کفر میں اللہ تعالی کی معصیت میں والدین کی اطاعت درست نہیں ہے، اگر والدین یہ حکم دیں کہ صرف فرض نماز ادا کریں تو اولاد پر یہ ذمہ داری ہے کہ انہیں پیار محبت سے سمجھا کر نوافل کی بھی کوشش کرے، پس ایسا شخص والدین کے حکم پر فرض کیسے چھوڑ سکتا ہے:

"إذا أمره أبوه أن لا يصلي إلا المكتوبة؛ فإنه يداريهما ويصل أي غير المكتوبة فكيف بالمكتوبة" (۴)

اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالی کی نافرمانی میں والدین کی اطاعت واجب نہیں، اور فرض نماز کا ترک معصیت ہے، اس لئے اس مسئلہ میں والدین کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے:

وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا

---

(۱) فتاوی شامی: ۲/ ۵۰۴

(۲) الصاوی: ۸/ ۴۱۹

(۳) المجموع للنووی: ۸/ ۳۱۴

(۴) ابن مفلح، الآداب الشرعية: ۱/ ۴۶۰-۱/ ۴۶۱، بحوالہ الأحكام المتعلقة ببر الوالدين: ۴۲

تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا(۱)

اولاد کی ذمہ داری ہے کہ والدین کو نرم لہجہ میں نماز کی اہمیت سمجھاتی رہے، ان سے زبان درازی اس مسئلہ میں بھی درست نہیں ہے، اور فرض کا ترک بھی جائز نہیں ہے۔

رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام'' میں لکھا ہے کہ والدین کے حکم سے فرض، واجب اور سنتِ مؤکدہ نمازوں کا ترک کرنا جائز نہیں؛ البتہ نوافل کا ترک کرنا جائز ہے۔(۲)

ترکِ جماعت میں اطاعت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نماز کا حکم فرمایا ہے اسی طرح نماز باجماعت کا بھی حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:**وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ** (۳)اور حدیث پاک میں نماز باجماعت ۲۷رگنا فضیلت بتائی گئی ہے، مسلمان کو جس طرح نماز کا اہتمام کرنا ضروری ہے اسی طرح جماعت کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے، اگر کسی کے والدین نماز کی اجازت تو دیں لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنے سے منع کریں تو اطاعتِ والدین درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کا حکم موقوف ہے جماعت کے حکم پر کہ نماز باجماعت کا حکم کیا ہے؟ آیا واجب ہے ،فرض کفایہ ہے، یا سنت ہے؟ مسلکِ حنفی و مالکی میں نماز باجماعت سنتِ مؤکدہ ہے :"إن صلاة الجماعة سنة مؤكدة" (۴)مسلکِ حنبلی میں نماز باجماعت واجب ہے:"إن الجماعة واجبة للصلوات الخمس" (۵)

البتہ مسلکِ شافعی میں تین قول ہیں ،دوقول یہی ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ نماز باجماعت فرض کفایہ ہے۔(۶) فقہاء کرام کے ان اقوال کی روشنی میں ترکِ جماعت

---

(۱) لقمان:۱۵ (۲) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۶۲۴

(۳) سورہ البقرۃ: ۴۳ (۴) فتاوی شامی: ۲/ ۲۸۷

(۵) کشف القناع للبھوتی: ۱/ ۵۴۳، دار عالم الکتب، ریاض

(۶) المجموع للنووی: ۴/ ۸۵، ان سب کے دلائل کتب مطولہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

میں والدین کی اطاعت کا حکم واضح ہوتا ہے کہ جن حضرات کے نزدیک باجماعت نماز واجب ہے ان کے نزدیک اس مسئلہ میں والدین کے حکم کی اطاعت درست نہیں، کیونکہ واجب کا ترک گناہ ہے اور گناہ میں والدین کی اطاعت درست نہیں ہے، (اور یہ مسلک حنبلی ہے) جن فقہاء کے نزدیک باجماعت نماز فرضِ کفایہ ہے ان کے نزدیک والدین کی اطاعت واجب ہے، کیونکہ فرض کفایہ کسی ایک سے بھی ادا ہوجائے تو دوسرے سے ذمہ ساقط ہوجاتا ہے، جب اس شخص کے ذمہ فرض کفایہ ساقط ہوگیا تو وہ ذمہ داری پوری کرے جو واجب ہے اور وہ ہے اطاعت والدین، پس والدین کے حکم پر جماعت ترک کرنا درست ہے (اور یہ مسلک شافعی ہے) اور جن فقہاء کے نزدیک باجماعت نماز سنت ہے ان کے نزدیک بھی والدین کے حکم پر جماعت ترک کرنا واجب ہے (اور یہ مسلکِ احناف ہے)۔

یہاں دو باتیں ملحوظ رہیں:

۱) اگر والدین باجماعت نماز سے منع کریں یعنی مسجد کی جماعت سے منع کریں تو گھر میں جماعت قائم کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ جس قدر ممکن ہو جماعت کے اہتمام کی کوشش کرنا بندہ پر ضروری ہے۔

۲) کبھی کبھار جماعت سے روکیں تو اطاعت واجب ہے، لیکن اگر ہمیشہ کے لئے جماعت سے روک دیں تو اپنے آپ کو جماعت کی فضیلت واہمیت سے محروم نہ کرے، بلکہ نہایت نرمی وعمدگی سے والدین کو جماعت کی اہمیت اور ترک کی وعیدیں سنا کر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہے، لیکن زبان درازی ہرگز نہ کرے، اطاعتِ والدین اور جماعت کی فضیلت کو پانے کی حتی الامکان کوشش میں لگا رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالی سے قیامت کے دن مسلمان ہوکر ملاقات کرنا چاہتا ہے تو اسے نمازوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم نے ہدایت کے طریقے سیکھے'' ان ہدایت کے طریقوں میں یہ

بات بھی شامل ہے کہ: ''اس مسجد میں نماز ادا کی جائے جس میں اذان دی جاتی ہے، اور اگر تم نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھو گے جیسے (جماعت سے) پیچھے رہنے والا شخص اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے تو تم اپنے نبئ کریم کی سنت چھوڑ دو گے''۔ اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جب کوئی شخص اچھا وضو کر کے مسجد جائے تو اللہ تعالیٰ ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک برائی مٹا دیتا ہے۔ جماعت سے سوائے کھلے منافق کے کوئی پیچھے نہیں رہتا۔ بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے نماز کے لیے آتا تھا۔(۱)

سنتِ مؤکدہ کے ترک میں اطاعت

اس مسئلہ میں فقہائے کرام کی تصریحات نہیں مل سکیں، البتہ علامہ طرطوشی نے اپنی کتاب ''برالوالدین'' میں لکھا ہے کہ اگر والدین کلیۃً سنتِ مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو اطاعت درست نہیں ہے، کیونکہ کلیۃً ترک شعائر اسلام کا ترک شمار ہوگا، جیسے کلیۃً اذان کا ترک درست نہیں، اگر کسی شہر کے لوگ کلیۃً اذان کے ترک پر متفق ہو جائیں تو ان سے اس سنت پر عمل کرنے تک جنگ کی جائے گی، اگر کبھی کبھار کسی عذر سے اذان چھوڑ دیں تو سنت کے ثواب سے محروم ہوں گے، لیکن قتال نہیں کیا جائے گا، اسی طرح کسی فرد کا کلیۃً سنت کا ترک کرنا شعائر کا ترک کرنا شمار ہوگا، اور شعائر کا ترک معصیت ہے، اور معصیت میں والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔(۲)

والدین کو اپنے مال کی زکاۃ دینا

اسلام کا ایک رکن زکاۃ ہے جس کی ادائیگی کا حکم قرآن مجید میں کئی مقامات پر نماز کے ساتھ دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکاۃ اپنے والدین کو دینا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اولاد کا اپنے مال کی زکاۃ اپنے والدین

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ٦٥٤

(۲) الأحكام الفقهية المتعلقة ببر الوالدين: ٤٨

کو دینا جائز نہیں، اور دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوگی، چنانچہ فقہ حنفی میں ہے: "لا يدفع المزكي زكاته إلى أبيه وجده وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده وإن أسفل" (۱) فقہ مالکی میں لکھا ہے: "وفي الكتاب لا يعطيها لمن تلزمه نفقتهم" (۲) شافعی میں ہے کہ "لا يجوز للإنسان أن يدفع إلى ولده ولا والده الذي يلزم نفقته من سهم الفقراء والمساكين" (۳) فقہ حنبلی میں ہے کہ: "(لا يجزئ دفعها) أي الزكاة (إلى سائر من تلزمه مؤنته من أقاربه" (۴) ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر جس شخص کے ذمہ شرعاً کسی کا نفقہ لازم ہو تو اس شخص پر اپنی زکاۃ سے وہ نفقہٗ واجبہ ادا کرنا درست نہیں، چنانچہ آدمی کے ذمہ اس کی اولاد کا اور والدین کا نفقہ واجب ہے تو وہ شخص اگر زکاۃ سے دے گا تو گویا ایک جیب سے دوسری جیب میں رکھنے کے مترادف ہوگا، جیسے حدیث پاک میں ہے کہ: بہترین مال وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے اور اولاد بھی انسان کی کمائی ہوتی ہے: "إن من أطيب ما أكل الرجل من كسبه، وولده من كسبه" (۵) اسی طرح اپنی اولاد کو بھی زکاۃ نہیں دے سکتے۔(۶)

فرض روزہ کے ترک میں اطاعت

اگر والدین فرض روزہ چھوڑنے کا حکم کریں تو باتفاقِ فقہائے کرام والدین کی اطاعت درست نہیں ہے، جس طرح فرض نماز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے اقوال اور دلائل گذر چکے ہیں وہی اقوال ہر فرضِ عین کے سلسلہ میں ہے، کیونکہ فرض عبادتیں ادا کرنا ہر مکلف پر شرعاً ضروری ہے، اور فرائض کی ادائیگی میں نہ کسی سے اجازت لی

---

(۱) فتح القدیر لابن ہمام: ۲/ ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) الذخیرۃ للقرافی: ۳/ ۱۴۱، دار الغرب الاسلامی، بیروت

(۳) المجموع للنووی: ۶/ ۲۲۲

(۴) کشف القناع للبہوتی: ۲/ ۹۴۴

(۵) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یاکل من مال ولدہ، حدیث نمبر: ۳۵۲۸

(۶) خیر الفتاوی: ۳/ ۴۰۹

جائے گی اور نہ ہی کسی کے منع کرنے کا اعتبار کیا جائے گا، ہر اس شخص کا حکم جس کی اطاعت شرعاً واجب ہے اسی وقت معتبر ہے جب تک کہ وہ معصیت نہ ہوا گر وہ حکم معصیت کو مستلزم ہو تو اطاعت کرنا گناہ ہے:

"عن النبي ﷺ قال: السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة"(١)

تو اولاد پر ضروری ہے کہ اللہ کا حق بھی ادا کریں اور والدین کا حق بھی ادا کریں، اور ان کے سلوک میں کوئی کمی آنے نہ دیں، اور نہ ہی ان سے تحقیر اور تذلیل کے لہجہ سے پیش آئیں۔

نفل روزوں کے ترک میں کی اطاعت

بعض مرتبہ آدمی نفل روزہ رکھنا چاہتا ہے، لیکن والدین شفقت کی وجہ سے منع کرتے ہیں تو والدین کی اطاعت میں نفل روزے ترک کرنا درست ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں فقہاء کرام رحمہم اللہ سے صریح قول نہیں مل سکا، البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حوالہ سے امام ابن مفلح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الأداب الشرعية" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نفل روزے رکھتا ہو اور والدین منع کرتے ہوں تو مجھے یہ پسند نہیں کہ والدین کے منع کرنے کے بعد بھی نفل روزہ رکھے، اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ والدین منع کریں: "مايعجبني أن يصوم إذا نهيا، لا أحب أن ينهياه"(٢) جس کا حاصل یہ ہوا کہ والدین کے منع کرنے کے بعد نفل روزہ نہ رکھے، اللہ تعالی روزہ کا بھی ثواب دے گا، اور والدین کی اطاعت کا بھی ثواب دے گا۔

---

(١) صحيح البخاري: كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، حدیث نمبر: ٧١٤٤، نیز دیکھئے رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ٦٣٤

(٢) الاٰداب الشرعية: ١/ ٢٦٠، بحواله الاحكام المتعلقة ببر الوالدين: ٥٣

نفل روزہ توڑنے میں اطاعت

نفل روزہ رکھنے کے بعد اگر والدین روزہ توڑنے کا حکم کریں تو والدین کے حکم پر روزہ توڑنا درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین کے حکم پر نفل روزہ توڑنا جائز ہے، چنانچہ فقہ حنفی میں لکھا ہے نفل روزہ کے مقابلہ میں والدین کا حق مؤکد ہے اس لئے ان کے حکم پر روزہ توڑنا جائز ہے، اور اگر روزہ نہ توڑے تو نافرمان بھی نہیں کہلائے گا:

"اعلم أن فساد الصوم والصلاة بلا عذر بعد الشروع فيهما نفلا مكروه وليس بحرام ... وإذا عرض عذر أبيح للمتطوع الفطر اتفاقا"(۱)

یہی حکم فقہی مالکی کی کتاب "جواهر الاكليل"(۲) میں اور فقہی شافعی کی کتاب "المجموع للنووی"(۳) میں اور فقہی حنبلی کی کتاب "المغنى لابن قدامة"(۴) میں لکھا ہے، حدیث پاک میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الصائم المتطوع أمين نفسه، إن شاء صام، وإن شاء أفطر"(۵)

فائدہ: نفل روزہ توڑنے کے بعد قضا کرنا ضروری ہے۔

والدین کی طرف سے قضا روزے رکھنا

والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ ہے کہ ان کے حقوقِ واجبہ ادا کرنے کی کوشش کرے، اگر کوئی شخص والدین کے قضا شدہ فرض روزے رکھنا چاہے تو شرعاً

---

(۱) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، کتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت

(۲) جواهر الاکلیل: ۱/۲۱۰

(۳) المجموع للنووی: ۶/۴۴۶

(۴) المغنی لابن قدامة: ۴/۴۱۰

(۵) سنن ترمذی، باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع، حدیث نمبر: ۷۳۲

درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ردالمحتار (شامی)" اور فقہ مالکی کی کتاب "ذخیرة العقبى" اور فقہ حنبلی کی کتاب "المغنی لابن قدامه" میں لکھا ہے کہ میت کی طرف سے اس کے وارث کا روزے رکھنا درست نہیں ہے، بلکہ میت کی طرف سے روزوں کی قضاء کے لئے مساکین کو کھانا کھلائے۔ "لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلي أحد عن أحد، ولكن يطعم عنه وليه" (۱) البتہ فقہ حنبلی میں منت کے روزوں کا استثناء ہے کہ وہ روزے وارث کے لئے رکھنا جائز ہے۔ اور فقہ شافعی میں ہے کہ: میت کی طرف سے روزوں کی قضاء میں وراث کا روزے رکھنا مستحب ہے، اور فقہ شافعی کا مفتی بہ قول ہے:

"(والثاني) وهو القديم، وهو الصحيح عند جماعة من محققي أصحابنا وهو المختار، أنه يجوز لوليه أن يصوم عنه، ويصح ذلك" (۲)

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اسکی طرف سے روزے رکھے: "من مات وعليه صيام صام عنه وليه" (۳)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں، تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ "من مات وعليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا" (۴)

---

(۱) ردالمحتار شامی: ۳/۴۰۸، ذخیرة العقبى: ۲/۵۲۴، المغنی لابن قدامة: ۴/۳۹۸

(۲) المجموع للنووی: ۶/۴۱۵

(۳) صحیح بخاری، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۱۹۵۲

(۴) سنن ترمذی، ابواب الصیام، حدیث نمبر: ۷۱۸، یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفا مروی ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے: "لا يصوم أحد عن أحد" (١) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی، اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ! میرے والدین کا فوت ہوگئے اوران کے ذمہ منت کے روزے تھے، کیا میں ان کی طرف سے وہ روزے رکھ سکتی ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری والدہ کے ذمہ قرضہ ہواور تم اسے ادا کردو تو ادا نہیں ہوگا؟ اس عورت نے کہا: ادا ہوجائے گا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی والدہ کی طرف سے روزہ رکھو:

"أرأيت لو كان على أمك دين فقضيته، أكان يؤدي ذلك عنها؟ قالت: نعم، قال: فصومي عنها" (٢)

یہ حدیث امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس استثناء کی دلیل ہے۔

ان احادیث کے علاوہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزے نہ رکھے جائیں، کیونکہ اگر مورث اپنی حیات میں روزہ پر قادر نہ ہوتا اور وارث اس کی طرف سے روزہ رکھتا تو درست نہ ہوتا، اسی طرح موت کے بعد بھی یہ عمل درست نہیں ہے:

"الصوم لا تدخله النيابة حال الحياة، فكذلك بعد الوفاة كالصلاة" (٣)

والدین کے حکم پر فرض حج ترک کرنا

حج ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، البتہ اگر منت مان لے تو جتنی بار منت مانے اتنی بار ادا کرنا واجب ہے، اگر والدین فرض حج کرنے سے منع کریں تو اطاعت درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ فرائض

---

(١) موطا مالک: کتاب الصیام، حدیث نمبر: ٤٣

(٢) صحیح مسلم، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ١١٤٨

(٣) المغنی لابن قدامة: ٣٩٩/٤

کے ترک میں والدین کی اطاعت درست نہیں ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ فرض عبادات کے لئے اولاد کا والدین کی اجازت کے بغیر جانا درست ہے، اور والدین کو فرائض سے روکنے کا حق شرعاً حاصل نہیں ہے، اگر منع کریں تو گناہ گار ہوں گے، اولاد کے لئے ان مسائل میں والدین کی اطاعت درست نہیں ہے، ان کے منع کرنے کے بعد بھی کیا ہوا حج بلا کراہت صحیح ہو جائے گا:

"وكذا يباح للولد أن يخرج بغير إذن والديه، لأن حق الوالدين لا يظهر في فروض الأعيان كالصاوم والصلاة"(١)

یہ کہ فرائض کے ترک میں والدین کی اطاعت معصیت ہے، اور معصیت میں کسی کا حکم نہیں مانا جائے گا:"لاطاعة فی معصية الله إنما الطاعة فی المعروف"(٢)

''رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام'' میں لکھا ہے کہ اگر والدین کا فرض حج سے منع کریں تو اس میں ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر نفل حج سے منع کریں تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔(٣)

والدین کے حکم پر فرض حج میں تاخیر

جو شخص صاحب استطاعت ہو جائے اور اس پر حج فرض ہو جائے، لیکن والدین فوراً حج کرنے سے منع کرتے ہوں اور بعد میں حج کی اجازت دیتے ہوں تو والدین کے حکم پر حج میں تاخیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ دراصل اس مسئلہ کا مدار دوسرے مسئلہ

---

(١) بدائع الصنائع:٩/ ٣٨٢، دارالكتب العلمية، بيروت، المجموع للنووی: ٨/ ٣١٤، المغنی لابن قدامة: ٥/ ٤٣٣

(٢) صحیح مسلم: كتاب الامارة، حدیث نمبر: ١٨٤٠

(٣) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ٤٦٢

پر ہے کہ صاحبِ استطاعت پر حج فوراً کرنا ضروری ہے یا اس کے لئے تاخیر کی گنجائش ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو رائے ہے:

۱) صاحب استطاعت پر حج فوراً واجب ہے، اور یہ احناف، حنابلہ، اور مالکیہ کا ایک قول ہے:

"من وجب عليه الحج وأمكنه فعله، وجب عليه على الفور ولم يجز له تأخيره"(۱)

۲) مسلک شافعی اور فقہ مالکی کے ایک قول کے مطابق صاحب استطاعت پر حج میں تاخیر کی گنجائش ہے:

"إذا وجدت شرائط وجوب الحج وجب على التراخي"(۲)

شوافع کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جوشخص حج کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ جلدی کرے: "من أردا لحجج فليتعجل" (۳) جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حج فرض ہوا ۸ھ میں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں اپنے تمام صحابہ کے ساتھ حج فرمایا، اگر حج میں تاخیر کی گنجائش نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۸ھ میں ہی حج فرماتے (۴) اور جن حضرات کے نزدیک حج فوراً ادا کرنا واجب ہے ان کے نزدیک بھی یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص نے استطاعت کے باوجود تاخیر سے حج کیا تو وہ ادا ہی شمار ہوگا، قضا شمار نہیں ہوگا، اگر فوراً ادا کرنا واجب ہوتا تو وقت گذرنے کے بعد ادا کرنے والا قضا کرنے والا شمار ہوتا، راجح یہی ہے کہ حج فوراً ادا کرلینا چاہئے، اس اختلاف کی روشنی میں جن حضرات کے نزدیک حج فوراً ادا کرنا

---

(۱) المغنی لابن قدامة: ۵/۳۶

(۲) حاشية الجمل على شرح النهج: ۴/۷

(۳) سنن ابی داؤد: كتاب المناسك، حدیث نمبر: ۱۷۳۲

(۴) المجموع للنووی: ۷/۸۷

ضروری ان کے نزدیک والدین کے حکم پر تاخیر کی گنجائش نہیں ہے، اور جن حضرات کے نزدیک تاخیر کی گنجائش ہے ان کے نزدیک والدین کے حکم پر تاخیر کرنے کی گنجائش ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ والدین کی اطاعت فوراً واجب ہونے میں ائمہ کا اتفاق ہے، اور حج فوراً واجب ہونے میں اختلاف ہے اس لئے، اتفاق پر عمل کرلے یعنی والدین کی اطاعت کرلے، اور اختلاف کو مؤخر کردے یعنی حج کو مؤخر کرے۔

لیکن فقہاء کرام ﷭ کا یہ اختلاف بظاہر لفظی ہے، کیونکہ جن کے نزدیک تاخیر کی گنجائش نہیں اور تاخیر کرنے سے گناہ لازم آتا ہے ان حضرات کے نزدیک حج کر لینے کے بعد وہ گناہ ساقط ہوجاتا ہے، اور جن حضرات کے نزدیک تاخیر کی گنجائش ہے، اس شرط کے ساتھ ہے کہ زندگی میں فوت نہ ہو، جس سے واضح ہوتا ہے کہ تاخیر حج وتعجیل حج کا اختلاف لفظی ہے اور تعجیل سب کے نزدیک مستحب ہے، اس لئے اس کو چاہئے کہ استطاعت کے بعد فوراً حج کی کوشش کرے، زندگی کا بھروسہ نہیں، نیک عمل میں تاخیر مناسب نہیں، اگر کسی عذر ومجبوری سے ایک دوسال تاخیر کا حکم ہو تو گنجائش ہے، لیکن سستی یا کسی بدعقیدگی کی وجہ سے یا بلاوجہ رواج کی وجہ سے تاخیر کا حکم ہو تو والدین کو محبت سے سمجھالیں اور اپنا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا یوسف لدھیانوی ﷬ فرماتے ہیں کہ

"اگر ذمہ میں حج فرض ہوجائے تو والدین کو اللہ کے سپرد کرکے ضرور حج پر جائیں اور اگر فرض نہ ہو تو ان کی خدمت افضل ہے" (۱)

"حج الفرض أولى من طاعة الوالدين وطاعتهما أولى من حج النفل" (۲)

والدین کا نفل حج سے منع کرنا

اگر کوئی شخص نفل حج کرنا چاہے اور والدین منع کریں تو والدین کے حکم پر نفل حج

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۲۴۱ (۲) الفتاوی الھندیة، کتاب الحج: ۱/ ۲۲۱

ترک کیا جائے گا یانہیں ؟ اس سلسلہ میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ نوافل میں والدین کی اطاعت واجب ہے، چنانچہ فتاوی شامی میں لکھا ہے کہ نفل حج میں والدین کی اطاعت بہتر ہے:"أما حج النفل فطاعة الوالدين أولى مطلقًا"(۱) جس سے پتہ چلا کہ نفل حج سے منع کرنے کے بعد نفل حج کے لئے سفر نہ کرنا بہتر ہے، فقہ مالکی میں لکھا ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر اولاد نفل حج کا سفر نہ کریں:"مَذْهَبُ المالِكِيّةِ وَالشَّافِعِيّةِ وَالحنابِلَةِ أَنَّ لِلأَبَوَيْنِ أَوْ أَحَدَهما مَنْعَ ابْنِهِ عَنْ حَجّ التَّطَوُّعِ لاَ الْفَرْضِ "(۲) فقہ شافعی میں لکھا ہے کہ نفل حج سے منع کرنے کا والدین کو حق حاصل ہے، اور منع کرنے سے گنہگار نہیں ہوں گے ،اور وہ شخص بغیر اجازت حج کرلے تو حج درست ہوجائے گا، اگرچہ نفل عمل میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کی وجہ گنہگار ہوگا:

"وأنه ليس على الوالد في امتناع الولد من الحج ضرر لأنه حق الشرع، فإذا عجز عنه لم يأثم"(۳)

یہی حکم فقہ حنبلی میں ہے۔(۴) پس والدین کے منع کرنے کے بعد نفل حج نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والدین کی خدمت کی خاطر صحابہ کو جہاد سے منع فرمادیا تھا، اس لئے والدین کی اجازت اور رضامندی سے کرنے کی کوشش کرے۔

والدین کے حکم پر نفل حج توڑ دینا

اگر کوئی شخص والدین کی اجازت کے بغیر نفل حج کا احرام باندھ لے تو کیا والدین کے حکم پر نفل حج توڑنے کی اجازت ہے؟ اس سلسلے میں میں احناف کی رائے نہ مل سکی شوافع کے نزدیک اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ والدین کے لئے جائز

---

(۱) فتاوی شامی: ۳/ ۴۵۴

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲/ ۲۰۳، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت

(۳) المجموع للنووی: ۷/ ۹۹

(۴) المغنی لابن قدامة: ۵/ ۴۳۳

ہے کہ احرام سے نکلنے کا حکم کریں، دوسرا قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے:

"وإن أحرم الولد بغير إذن الأبوين فإن كان في حج فرض لم يكن لهما تحليله، لأنه فرض ... وإن كا في حج تطوع ففيه قولان: (أحدهما): يجوز لهما تحليله... (والثاني) لا يجوز"(۱)

جواز کے قول کی دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی جہاد میں شرکت کے ارادہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: کیا تمھارے والدین باحیات ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں، یارسول اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں خوش کرنے کی کوشش میں لگو: **"ففيهما فجاهد"**(۲) اس سے پتہ چلا کہ والدین کو نفل عمل سے منع کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ جہاد ہی کیوں نہ ہو تو حج سے منع کرنے کا بدرجۂ اولی حق حاصل ہوگا۔

اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ احرام باندھ لینے کے بعد خواہ وہ نفل احرام ہی کیوں نہ ہو عمل پورے کئے بغیر نکلنے کا حکم دینے کا والدین کو حق حاصل نہیں ہے: **"فإن أحرم بغير إذنه لم يملك تحليله"**(۳) عدم جواز کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص نفل عبادت ہی کیوں نہ ہو شروع نہ کرے تو وہ نفل رہتی ہے، لیکن عبادت شروع کرنے کے بعد اس کی تکمیل واجب ہوجاتی ہے، جیسے منت مانا ہوا عمل، منت ماننے سے قبل نفل ہے، لیکن منت ماننے کے بعد ادا کرنا واجب ہوجاتا ہے، اور واجب کو توڑنے کا حکم کرنا والدین کے لئے جائز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ نفل حج کا احرام باندھنے سے قبل ہی والدین سے اجازت لے لے، اور اگر بغیر اجازت احرام باندھ لیا اور والدین نے احرام توڑنے

---

(۱) المجموع للنووی: ۸/ ۳۱۴

(۲) صحيح بخاری، كتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۳۰۰۴

(۳) المغنی لابن قدامة: ۵/ ۴۳۴، مکتبة القاهرة

کا مطالبہ کیا تو غور کرے کہ اس مطالبہ کا سبب کیا ہے؟ اور اگر وہ ایسا قابلِ قبول عذر ہے جس کی واقعۃً اہمیت ہے تو والدین کی اطاعت کرے، اور عموماً حج کے سلسلہ میں والدین بغیر مجبوری کے منع نہیں فرماتے ہیں، کیوں کہ ہر شخص حج جیسے عمل کو انتہائی فضیلت وشرف کا سبب سمجھتا ہے، اور اگر وہ ایسا عذر ہے جو قابل قبول نہیں ہے تو اپنا حج مکمل کرلے اور والدین کو کسی طرح خوش کرنے کی کوشش کرلے۔ واللہ اعلم بالصواب

والدین خدمت کے محتاج ہوں تو حج پر جانے کا حکم

بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو، اور حج پر چلے جانے سے والدین کو نا قابل برداشت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے، حج کرنے کے لئے جائے گا تو گناہ ہوگا۔

"ویکره الخروج إلی الحج إذا کره أحد أبویه إن کان الوالد محتاجا إلی خدمة الولد" (۱)

اور اگر لڑکوں کے حج کرنے میں والدین کی حق تلفی نہ ہوتی ہو تو حج کرنا ضروری ہے اور اس کے لئے والدین کی اجازت لینا بھی ضروری نہیں ہے (جیسے نماز پڑھنے کے لئے والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے)۔ (۲)

والدین کی طرف سے فرض حج ادا کرنا

تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ والدین کی وفات کے بعد اولاد کا والدین کی طرف سے حج بدل کرنا درست بلکہ اولی ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالی والدین کی طرف سے اس حج کو قبول فرمالے: "یجوز حج الولد عن ابیه المیت" (۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حجۃ الوداع کے

---

(۱) عالمگیری: ۱/ ۲۲۰، خیر الفتاوی: ۴/ ۱۶۶ (۲) کتاب الفتاوی: ۴/ ۱۰۰

(۳) ذخیرۃ العقبی للقرافی: ۳/ ۱۹۳، فتاوی شامی: ۴/ ۹، المغنی لابن قدامة: ۵/ ۴۱، حاشیة الشرقاوی علی تحفة الطلاب: ۲/ ۵۲۰

موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے۔ میرا باپ بوڑھا ہے، سواری پر سوار نہیں ہوسکتا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ کرسکتی ہو:

"یارسول الله! إن فریضة الله علی عباده في الحج أدرکت أبي شیخا کبیرًا، لایثبت علی الراحلة أفأحج عنه؟ قال: نعم، وذالك في حجة الوداع"(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن مرنے سے قبل حج نہیں کرسکی، کیا میں ماں کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، ان کی طرف سے حج کرو۔ ہاں، دیکھو اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا نہیں کرتیں؟ پس اللہ کا قرض ادا کرو۔ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

"أن امرأة جاءت إلی النبي ﷺ فقالت: یارسول الله إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتی ماتت، أفأحج عنها؟ قال: نعم، حجی عنها، أرأیت لو کان علی أمك دین أکنت قاضیته؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء"(۲)

لیکن حج بدل ایسا شخص کرے جو اپنا حج کرچکا ہو، جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کا حج بدل پر جانا مکروہ ہے:

"یجوز لمن لم یکن حج عن نفسه أن یحج عن غیره لکنه خلاف الأفضل، ویسمی حج الضرورة"(۳)

---

(۱) صحیح بخاری، الحج، حدیث نمبر: ۱۴۱۳ (۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۱۸۵۲

(۳) فتاوی تقنیح الحامدیة: ۱/ ۱۴۸، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۲۸۷

والدین کی طرف سے نفل حج کرنا

اگر کسی شخص کے والدین حج کئے بغیر انتقال کر گئے ہوں تو اس شخص کا اپنے والدین کی طرف سے نفل حج کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس نفل حج کا ثواب والدین کو پہنچے گا یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ والدین کی طرف سے نفل حج کرنا جائز ہے اور اس کا ثواب والدین کو پہنچانے سے والدین کو اس سے فائدہ ہوتا ہے، چونکہ میت بھی انسان ہی کی طرح ہدیہ قبول کرتے ہیں، اور ان کا ہدیہ جس کے وہ سخت محتاج ہوتے ہیں نیک اعمال کا ثواب ہے، زندہ کبھی کبھار ہدیہ کی تحقیر کرتا ہے، اور کبھی ہدیہ کی ہوئی چیز کی اسے ضرورت نہیں رہتی ہے، لیکن میت کو جو ہدیہ نیکیوں کی شکل میں پہنچتا ہے وہ ہر وقت اس کا محتاج ہوتا ہے، اور کبھی اس کی تحقیر نہیں کرتا، خواہ نیکی کی وہ مقدار مچھر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، چونکہ اسے اس مقدار کی قیمت کا اندازہ رہتا ہے، اس لئے والدین کے حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی طرف سے نفل حج کیا جائے اور اس کا ثواب انہیں پہنچایا جائے، اور انسان کو اپنے نفل اعمال کا ثواب پہنچانے کا اختیار حاصل ہے، خواہ وہ عمل نماز، روزہ، صدقہ، تلاوت، ذکر، طواف، اور حج وعمرہ ہو:

"وإن الأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة، أو صومًا، أو صدقةً، أو قراءة القرآن، أو ذكرًا، أو طوافًا، أو حجًا، أو عمرة، أو غير ذلك" (۱)

ماقبل میں گذر گیا ہے کہ والدین کی طرف سے فرض حج کرنے کی آنحضرت ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، اگر والدین کی طرف سے حج کرنے سے انہیں فائدہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی اجازت مرحمت نہ فرماتے۔ (۲)

---

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱۰۵/۳، دار الكتب العلمية، بيروت، ذخيرة العقبى لفقه المالكى: ۱۹۳/۳، حاشية الشرقاوى على تحفة الطلاب: ۵۱۹/۲

(۲) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۰۰/۳۸۸

والدین کی طرف سے رمی جمرات کرنا

مسالک اربعہ کا متفقہ مسئلہ ہے کہ والدین اگر مرض کی وجہ سے رمی جمرات سے عاجز ہوں مثلاً جمرات تک نہ جاسکتے ہوں یا جمرات تک جاسکتے ہوں؛ لیکن کنکر پھینک نہیں سکتے ہوں تو ان کی طرف سے نیابت درست ہے:

"وسواء رمى بنفسه أو بغيره عند عجزه عن الرمي بنفسه كالمريض الذي لا يستطيع الرمي"(۱)

جہاد کے لئے والدین کی اجازت

الف) اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض جہاد ہے جسکی دوصورتیں ہیں ایک فرض عین دوسرا فرض کفایہ، جب جہاد فرض عین ہوتو باتفاقِ ائمہ اربعہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا درست ہے، والدین منع بھی کریں تو اطاعت نہیں کی جائے گی، کیونکہ فرض عین کے موقع پر والدین کی اجازت ساقط ہوجاتی ہے، نیز جہاد جب فرض عین ہوتو حفاظت دین اس کے بغیر ناممکن ہوتی ہے، اور حفاظت دین سے اعراض معصیت ہے:

"الجهاد فرض كفاية ... وفرض عين إن هجم العدو، فتخرج المرأة والعبد... واللد... بلا إذن... الوالد"(۲)

ب) اگر جہاد فرض کفائی ہوتو اس صورت میں باتفاق ائمہ والدین کی اجازت کے بغیر جانا درست نہیں ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک میں تفصیل یہ ہے کہ

۱) اگر دونوں اجازت دیں تو جانا درست ہے، اگر اجازت ملنے کے بعد منع کردیں تو جہاد فرض عین ہونے اور نفیر عام کا اعلان ہونے سے پہلے

---

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی: ۹۱/۱

(۲) النہر الفائق شرح کنز الدقائق: ۲۰۱/۳، المحتاج الی شرح المنہاج للرملی: ۵۷/۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، کشف القناع للبھوتی: ۱۲۶/۲

تک والدین کی اجازت پر عمل کرنا واجب ہے۔

۲) اگر دونوں منع کر دیں تو جانا درست نہیں ہے۔

۳) اگر ایک اجازت دے دوسرا منع کر دے تو منع کرنے والے کے حکم کی اتباع کرے اور نہ جائے:

"لا يفرض (على صبي) وبالغ له أبوان أو أحدهما، لأن طاعتهما فرض عين"(۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے والدین باحیات ہیں؟ ان صحابی نے عرض کیا، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو انہیں خوش کرنے میں جہاد (کوشش) کرو۔

"جاء رجل إلى النبي ﷺ فاستأذنه في الجهاد، فقال: أحي والداك؟ قال: نعم، قال: ففيهما جاهد"(۲)

اور عقلاً یہ بات ہے کہ والدین کی خدمت فرض عین ہے، کہ اولاد کے علاوہ دوسرا خدمت انجام نہیں دے گا، اور جہاد فرض کفایہ ہے کہ دیگر مسلمان بھی اگر انجام دیں تو سب پر سے فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے فرض عین فرض کفایہ پر مقدم رہے گا۔

ج) اگر والدین کافر ہوں اور لڑکا مسلمان ہو تو جہاد میں جانے کے لئے کافر والدین کی اجازت لینا کیسا ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں:

۱) احناف کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں بھی والدین کی اجازت شرط ہے، مگر یہ کہ اگر والدین جہاد سے اس لئے منع کر رہے ہوں کہ اسلام

---

(۱) فتاوی شامی: ۶/ ۲۰۲، مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل: ۴/ ۵۴۱، الحاوی الکبیر للماوردی: ۱۴/ ۱۲۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۳۰۰۴

اور کفر کی جنگ ہے، کفر کے خلاف اور اسلام کی حمایت میں لڑنا والدین کو ناپسند ہو تو اجازت لینا اور ان کی اطاعت کرنا درست نہیں ہے، اور اگر اس لئے منع کرتے ہیں کہ یہ جہاد فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے اور بچہ کے شہید ہوجانے کا بھی انہیں اندیشہ ہے، تو اس صورت میں والدین کی اجازت کے بغیر جانا درست نہیں ہے:

"(قوله وبالغ له أبوان) مفاده أنهما لا يأثمان في منعه... إذا أكره خروجه مخافة ومشقة، وإلا بل لكراهة قتال أهل دينه، فلا يطيعه ما لم يخف عليه الضيعة" (۱)

۲) اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ جہاد خواہ فرض کفایہ ہو والدین کی اجازت شرط نہیں ہے، اور نہ والدین کو منع کرنے کا حق ہے، اور نہ منع کرنے پر اطاعت کرنا مطلقاً درست ہے: "والقسم الثاني: أن يكونا كافرين، فلا يلزمه أن يستأذنهما" (۲)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ کافر والدین کو اپنی مسلمان اولاد پر ولایت حاصل نہیں ہے، تو ان سے اجازت لینا شرعاً ضروری بھی نہیں ہے: "فأما إن كان أبواه غير مسلمين، فلا إذن لهما" (۳) دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے والدین کافر تھے جہاد میں شریک ہوتے تھے، اور ان کی شرکت والدین کی اجازت سے ہونا منقول نہیں ہے، ظاہر ہے کفار کہاں اپنی اولاد کو اجازت دیں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنے کافر والدین کی اجازت

---

(۱) فتاوی شامی: ۲۰۲/۶

(۲) الحاوی للماوردی: ۱۲۴/۱۴، بلغة السالک للصاوی: ۱۷۸/۲، کشف القناع للبھوتی: ۱۲۶۶/۲

(۳) المغنی لابن قدامة: ۲۶/۱۳

لینے کا حکم بھی نہیں فرمایا:

"فأما إذا كان أبواه مشركين لم يلزمه استئذانهما، لأنهما يمنعانه لدينا، وقد جاهد أبو حذيفة بن عتبة بن ربيعة مع رسول الله ﷺ يوم بدر حتى قتل، فكان سيد المشركين"(۱)

تیسری دلیل یہ ہے کہ کافر والدین کے جہاد سے منع کرنے میں اس بات کا قوی احتمال ہے کہ وہ کفر کے خلاف لڑنا پسند نہ کرتے ہوں، اور اپنے کفار بھائی کے خلاف جنگ کرنا انہیں ناپسند ہو، پس اس میں دین اسلام کی توہین اور والدین کے اتہام کا قوی اندیشہ ہے، ایسی حالت میں ان کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

"وأما الجهاد فليس للكافرين المنع منه لأنه مظنة قصد توهين الإسلام"(۲)

احناف کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے، اور یہ بات ان کے حسن سلوک کے منافی ہے کہ فرض کفایہ میں ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر چلا جائے: "وصاحبهما في الدنيا معروفا" دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے والدین باحیات ہیں؟ ان صحابی نے عرض کیا ہے: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو انہیں خوش کرنے میں جہاد (کوشش) کرو:

"جاء رجل إلى النبي ﷺ فاستأذنه في الجهاد، فقال: أحي والداك؟ قال: نعم، قال: ففيهما جاهد"(۳)

---

(۱) الحاوی للماوردی: ۱۴/ ۱۲۳

(۲) بلغۃ السالک للصاوی: ۲/ ۲۷۴

(۳) صحیح بخاری، باب الجهاد بذن الأبوين، حدیث نمبر: ۳۰۰۴

اس حدیث میں مسلمان والدین اور کافر والدین کا کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا، بلکہ مطلقاً انہیں اپنے والدین کی خدمت کا حکم فرمایا، اور وہ جہاد فرض کفائی ہی تھا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ جب والدین کو اپنی اولاد سے فطری محبت ہے اور جان جانے کے اندیشہ سے منع کرتے ہوں تو اس پہلو کے ہوتے ہوئے مذہبی تعصب کے پہلو کو متعین کر لینا درست نہیں، فرض کفائی اس کے بغیر بھی ادا ہو جائے گا تو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جا کر والدین کو تکلیف پہنچانا درست نہیں ہے۔

والدین کے حکم سے جہاد کو ترک کرنے کا حکم

والدین کی اطاعت چونکہ فرض عین ہے، اس لئے ان کے حکم سے فرض کفایہ جہاد کو ترک کرنا جائز ہے۔

اور عام روایت میں والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں، لیکن اگر جہاد فرضِ عین ہو جائے ، بایں طور کہ دشمن، مسلمانوں کے اوپر چڑھائی کر دیں تو پھر والدین کی اجازت کے بغیر فرض عین جہاد کرنا فرض ہے۔(۱)

جہاد کی اجازت ملنے کے بعد منع کرنے کا حکم

اگر والدین پہلے تو فرض کفایہ جہاد کی اجازت دے دیں، اور پھر منع کر دیں تو بھی ان کے حکم سے جہاد سے لوٹ کر آنا واجب ہے۔(۲)

غیر مسلم والدین کا اولاد کو جہاد سے روکنے کا حکم

اگر والدین غیر مسلم ہوں اور جہاد فرض کفایہ ہو، اور جہاد میں جانے سے الدین کے نان نفقہ اور خدمت میں خلل واقع ہو تو حنفیہ کے نزدیک غیر مسلم والدین کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ جہاد سے نفرت کی بناء پر اس سے منع کریں، تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔(۳)

---

(۱) رشتہ داروں سے متعلق، فضائل و احکام: ۲۶۳

(۲) رشتہ داروں سے متعلق، فضائل و احکام: ۲۶۴

(۳) حوالہ سابق: ۲۶۴

جہاد میں اپنے کافر باپ کو قتل کرنا

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہے:

۱) یہ ہے کہ کافر باپ اپنے مسلمان لڑکے کو قتل کرنے کے درپہ ہو اور بیٹا اپنا دفاع کرتے ہوئے باپ کو قتل کردے۔

۲) باپ اپنی جگہ دیگر اہل اسلام سے لڑ رہا ہے اور بیٹا ابتداء وار کر کے قتل کردے۔

پہلی صورت میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ بیٹے کا اپنے دفاع میں باپ کو قتل کرنا جائز ہے، چونکہ وہ اس صورت میں اپنی جان بچانے پر مجبور ہے۔

"ولا يقتل المسلم أباه المشرك إلا أن يضطره إلى ذلك بأن يعاجله على نفسه"(۱)

دوسری صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، اور اس میں ائمہ کرام کی دو رائے ہیں:

۱) ابتداً قتل کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ کا مسلک ہے: "يكره للمسلم أن يبتدئ أباه الكافر الحربي بالقتل"(۲)

۲) ابتداً قتل کرنا بھی جائز ہے، اور یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک ہے: "يقتل المسلم أباه في المعركة أي يجوز ابتداءه بالقتل"(۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے والد کو قتل کیا تو اللہ تعالی نے ان کی شان میں آیت مدح نازل فرمائی:

---

(۱) ذخیرۃ العقبی للقرافی: ۳/۳۹۸، الحاوی الکبیر للماوردی: ۱۴/۱۲۷، بدائع الصنائع: ۹/۴۰۰

(۲) بدائع الصنائع: ۹/۴۰۰، ذخیرۃ العقبی للقرافی: ۳/۳۹۸، الحاوی الکبیر للماوردی: ۱۴/۱۲۷

(۳) کشف القناع للبہوتی: ۲/۱۲۷۵

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱)

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ یہ عمل "وصاحبهمافی الدنیامعروفا" کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ﷺ نے جب اپنے والد منافقوں کے سردار ابی بن کعب کا سر کاٹ کرلانے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا:

"فقال ابن عبد الله للنبي ﷺ: هو والله الذليل وأنت العزيز يا رسول الله! إن أذنت لي في قتله قتلته ... فقال النبي ﷺ: بل نحن صحبته وترفق به ما صحبنا، ولا يتحدث الناس أن محمدًا يقتل أصحابه، ولكن برّ أباك، وأحسن صحبته" (۲)

تیسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے والدین کے نفقہ کا حکم فرمایا ہے جو سبب حیات ہے اور انہیں قتل کر دینا یہ اس حکم کے منافی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں دین کی بدنامی اور تہمت وفتنہ کا قوی اندیشہ ہے، اسلام کی وجہ سے اولاد اپنے والد کو قتل کر دے اور اس تہمت سے بچنا ضروری ہے۔

طلب علم کے لئے والدین کی اجازت

علم تین طرح کا ہے: ایک فرض عین کہ اس علم کا حاصل کرنا ہر فرد پر ضروری ہے۔

---

(۱) سورۃ المجادلۃ:۲۲

(۲) اسد الغابۃ:۲۹۷/۳، الإصابۃ لابن حجر:۱۳۳/۴

دوسرا وہ علم جس کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، کہ کوئی ایک بھی حاصل کرلے گا تو تمام لوگوں پر سے ذمہ ساقط ہوجائے گا۔

تیسرا وہ علم جس کا حاصل کرنا مستحب ہے۔

۱) پہلی صورت میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اولاد والدین کی اجازت کے بغیر ان عبادات کا علم سیکھنے کے لئے سفر کرسکتی ہے جو عبادات فرض ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج، اور اسلام کے بنیادی عقائد، کیونکہ دین کا قیام انہیں علوم کے حصول پر ہے، البتہ اگر یہ علوم اپنے ہی شہر میں حاصل ہوجاتے ہوں تو وہیں حاصل کرلے، ورنہ بلا اجازت سفر کرنا شرعاً درست ہے، اور والدین کو منع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، کیونکہ فرائض کے ترک اور اس میں کوتاہی کا حکم کرنا معصیت ہے، اور معصیت میں غیر اللہ کا حکم نہیں مانا جائے گا:

"وكذا يباح للولد أن يخرج بغير إذن والديه، لأن حق الوالدين لا يظهر في فروض الأعيان كالصوم والصلاة"(۱)

فتاوی حقانیہ میں لکھا ہے کہ حضور ا کے فرمان کے مطابق علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد وعورت کی ذمہ داری ہے کم از کم اتنا علم ہو کہ دین کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ ہوسکے اور اس کے لئے والدین کا منع کرنا کوئی شرعی عذر نہیں بلا اجازت والدین بھی بالغ بیٹا حصول علم کے لئے سفر کرسکتا ہے (خصوصاً جب والدین محتاج وضعیف نہ ہو) ایسی صورت میں بیٹا نافرمان بھی نہیں کہلائے گا۔

"رجل خرج في طلب العلم بغير إذن والديه فلا بأس به ولم يكن هذا عقوقا"(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع:۹/۳۸۲،الفواكه الدواني لابن مهنا:۱/۶۲۷،المجموع للنووي: ۸/۳۱۵، كشف القناع للبهوتی:۲/۱۲۶۷

(۲) الفتاوى الهندية:۵/۳۶۶، خلاصة الفتاوى:۴/۳۲۷،فتاوی حقانیہ:۲/۴۵۰

۲) اگر وہ علم فرض کفایہ ہو جیسے مسائل شرعیہ میں مہارت وعبور پیدا کرنے کے لئے شعبہ افتاء میں حصہ لینا تو بھی فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اس علم کے حصول کے لئے سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ اس علم کے حصول سے خود والدین کو فائدہ ہوگا، اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور فرض کفایہ شروع کرنے سے قبل فرض کفایہ رہتا ہے یعنی جب کوئی اس علم کو نہ سیکھے تو ہر ایک اس کا مخاطب ہوتا جیسے جنازہ جب تک کوئی ادا نہ کرے ہر ایک اس کا مخاطب ہوتا، اس حیثیت سے فرض کفایہ میں فرض عین کی جہت ومشابہت پائی گئی، پس والدین کا جس طرح فرض عین میں منع کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح فرض کفایہ میں منع کرنا بھی درست نہیں ہے، البتہ اگر اس علم کا حصول اپنے شہر میں ہو جاتا ہو تو اسی کو مقدم رکھے، ورنہ سفر کو ترجیح دے:

"ومن مشايخنا من رخص في سفر التعلم بغير إذنهما لا يتضرران بذلك، بل ينتفعان به" (۱)

"فإن أراد تعلم ما هو فرض عين لم يكن لهما منعه، وفي فرض الكفاية وجهان: (أصحهما) لا يجوز لهما منعه، لأنه فرض عليه مالم يبلغ واحد هناك درجة الفتوى" (۲)

۳) اگر وہ علم مستحب درجہ کا ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، اور فقہاء کی دو رائے ہیں ایک یہ ہے کہ سفر مستحب والدین کی اجازت کے بغیر کرنا درست نہیں ہے خواہ سفر مشقت اور پر خطر ہو یا نہ ہو، اور یہ ائمہ ثلاثہ کی رائے، چونکہ سفر مستحب ہے، اور والدین کی اطاعت واجب ہے، مستحب پر عمل واجب کے ترک کے ساتھ درست نہیں۔

---

(۱) بدائع الصنائع:۹/ ۳۸۲، الفواكه الدواني لابن مهنا:۱/ ۶۲۷

(۲) المجموع للنووي:۸/ ۳۵۲، الفروع لابن مفلح:۱۰/ ۲۴۰

"والمراد والله أعلم أنه لا يسافر لمستحب إلا بإذنه" (١)

دوسری رائے یہ کہ والدین کی اجازت واجب ہے، اسکے بغیر سفر کرنا درست نہیں ہے، بشرطیکہ وہ سفر مشکل و پرخطر ہو، اور یہ احناف کی رائے ہے، کیونکہ ہر وہ سفر جس میں خطرہ کا اندیشہ قوی ہو تو انسان کو اس سفر کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ والدین کو اولاد سے محبت کی وجہ سے آپ کی تکلیف سے انہیں آپ سے بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے، اور جو سفر پرخطر نہ ہو اس میں والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہاں ضرر کی علت نہیں پائی گئی:

"الأصل أن كل سفر لا يؤمن فيه الهلاك، ويشتد فيه الخطر لا يحل للولد أن يخرج إليه بغير إذن والديه، لأنهما يشفقان على ولدهما، فيتضرران بذلك، وكل سفر لا يشتد فيه الخطر يحل له أن يخرج إليه بغير إذنهما إذا لم يضيعهما، لانعدام الضرر" (٢)

موجودہ زمانہ میں بوڑھے والدین کو تنہا چھوڑ کر اولاد مغربی ملکوں کا سفر کرتی ہے، کبھی خود اولاد بے دین ہوتی ہے، یا اگر دینداری ہو تو اتنا فہم نہیں ہوتا کہ اپنی نسل کے ایمان وعمل کی حفاظت کرنے والا ماحول بنا سکے، نتیجۃً والدین کا جنازہ، اٹھانے والے صرف مسجد کے مصلی، یا لاش فریج میں رکھ کر تدفین میں تاخیر، نسل مغربیت زدہ، دین بیزار بن رہی ہے، مذکورہ بالا نصوص اور اپنی دینی سطح اور والدین کی ضرورت دیکھ کر بیرون ملک حصول تعلیم یا حصول ملازمت کا سفر کرنا چاہیے، سوچنے کی بات ہے کہ دنیا

---

(١) الآداب الشرعية لابن مفلح: ١/ ٤٣٥، الفواكه الدواني لابن مهنا: ١/ ٦٢٧، المجموع للنووي: ٨/ ٣١٥

(٢) بدائع الصنائع: ٩/ ٣٨٢، نیز دیکھئے: امداد الفتاوی: ١/ ٧/ ٤، احسن الفتاوی: ١/ ٣٩٨، کتاب النوازل: ١٥/ ١٢

ہی نہیں؛ بلکہ دینی سب سے بڑا اعزاز صحابی ہونا، حضرتِ اویس قرنی رحمہ اللہ نے چھوڑ دیا، والدہ کی خدمت کی وجہ سے ڈالر اور ریال کی قیمت سے زیادہ خدمتِ والدین کی قیمت وعظمت کو جانئے۔

والدین کا ترکِ تعلیم پر مجبور کرنا

مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"بقدرِ ضرورت تو تحصیل علم ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے، اگر والدین اس سے روکتے ہیں تب تو والدین کی اطاعت لڑکے کے ذمہ واجب نہیں، اور تبحر جمیع علوم میں فرض کفایہ ہے، اس سے اگر روکتے ہیں تو لڑکے کے ذمہ ان کی اطاعت ضروری ہے اور بستی میں ایک عالم ہونا بھی لازم ہے، اگر کوئی اور عالم وہاں موجود ہے تب بھی اس کے ذمہ تکمیل ضروری نہیں اور عالم نہیں صرف یہی لڑکا تعلیم حاصل کر رہا ہے اور والدین اس لڑکے کی خدمت وغیرہ کے اس قدر محتاج نہیں کہ بلا اس لڑکے کے گزر دشوار ہو، نیز یہ لڑکا اس قدر کم عمل اور نا سمجھ نہیں کہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ لڑکا والدین کی حکم کی تعمیل نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا، نیز آگے یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر والدین حاجت مند ہیں، کما نہیں سکتے تو ان کی خدمت حسب وسعت لڑکے پر لازم ہے، مکان پر رہ کر آہستہ آہستہ کچھ علم بھی حاصل کرتا رہے اور ان کی خدمت بھی کرتا رہے، ان کو ناراض نہ کرے"۔(۱)

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"اس صورت میں بہتر اور اسلم طریقہ یہ ہے کہ والدین کو تکمیل علم دین کے لئے جس طرح ہو راضی کر لیوے اور اگر وہ اس بارے میں والدین کا کہنا نہ مانے تو نافرمان نہ ہوگا، جبکہ والدین کو اس کی سخت ضرورت نہ ہو"۔(۲)

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۳/۳۰۷، ۳۰۸-۱۹، ۲۰/ (۲) امداد المفتیین: ۲/۱۹۷

والدین کی خدمت مقدم یا تعلیم

اگر والدین آپ کی خدمت واعانت کے محتاج ہیں، ان کے گذارے کی کوئی صورت نہیں اور آپ ہی ان کی خدمت پوری کر سکتے ہیں تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ ان سے ترکِ تعلق کر کے کہیں چلے جائیں اور درس نظامی کی تکمیل کریں؛ بلکہ ان کی خدمت ہی کرتے رہیں، اور فارغ وقت میں دینی علم خواہ اردو میں ہی ہو حاصل بھی کر سکتے ہیں۔

اگر وہ آپ کی خدمت کے محتاج نہیں تو اس کا حکم دوسرا ہے، پھر بھی ایسی روش اختیار نہ کی جائے، جس سے والدین کی حق تلفی ہو اور نہ ان کا مقابلہ کیا جائے۔(۱)

سفر مباح کے لئے اجازت

اگر سفر مباح ہو جیسے تجارت کا سفر، سیر و سیاحت کا سفر وغیرہ تو اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ احناف، مالکیہ، اور شوافع کا اتفاق ہے کہ مباح سفر والدین کی اجازت کے بغیر درست ہے، جبکہ سفر مباح میں کسی طرح کا خطرہ نہ ہو، بشرطیکہ والدین اس شخص کی خدمت کے محتاج نہ ہوں، کیونکہ اس سفر میں والدین کو تکلیف پہنچانے والی کوئی بات نہیں ہے:

"وأما سفر التجارة والحج، فلا بأس بأن يخرج إذن والديه لأنه ليس فيه خوف هلاكه ... ثم إنما يخرج بغير إذنهما للتجارة إذا كانا مستغنيين عن خدمته"(۲)

اس مسئلہ میں حنابلہ کی رائے نہیں مل سکی؛ لیکن والدین کی اجازت کے ساتھ سفر پر جائے تو وہ بھی فرمانبرداری شمار ہوگی۔(۳)

---

(۱) دیکھئے فتاوی محمودیہ:۱۹/ ۳۰

(۲) البحر الرائق:۵/ ۱۲۲، الفواکه الدوانی لابن مهنا:۱/ ۶۲۷، المجموع للنووی:۸/ ۳۵۱

(۳) آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۵۵۸

ضعیف والدین کوچھوڑ کر سعودیہ کا سفر

والدین کی خدمت بال بچوں پر واجب ہے، خاص کر جب وہ ضعیف اور خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو سفر جہاد سے بھی ایسے شخص کو منع فرمادیا جس کے والدین اس کی خدمت کے محتاج تھے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لڑکا کوئی ایسا عمل کرے، جس میں اس کے والدین کا کوئی دینی یا دنیوی نقصان نہ ہو؛ لیکن انہیں لڑکے کا یہ عمل پسند نہ ہو تب بھی اس کا والدین سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے:

"الابن البالغ یعمل عملا لا ضرر فیه دینا و لا دینا بوالدیه، وهما یکرهانه، فلابد من الاستیذان فیه الخ" (۱)

لہٰذا ایسی عمر میں والدین کو تنہا چھوڑ کر کمانے کی غرض سے کسی دوسرے ملک میں چلے جانا، اللہ کو ناراض کرنے والا عمل ہے، اس سے بچنا چاہئے، سماج کے لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے ناشائستہ طرزِ عمل سے اولاد کو روکنے کی کوشش کریں اور حسبِ ضرورت اس کی اصلاح کے لئے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے طاقت کا استعمال کریں جس کی گنجائش شرعاً ہے۔ (۲)

سفر سے جلد واپسی کی کوشش کرے

کوئی آدمی سفر پر جائے تو فوراً سفر سے واپسی کی کوشش کرے، کیونکہ سفر خود ایک مشقت کی چیز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سفر عذاب کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے، جو تمہیں کھانے، پینے، اور نیند سے روک دیتا ہے، جب تم میں سے کوئی آدمی سفر میں اپنی ضرورت سے فارغ ہو جائے تو جلد واپس ہونے کی کوشش کرے:

"السفر قطعة من العذاب یمنع أحدکم طعامه وشرابه

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۵/ ۳۶۵

(۲) کتاب الفتاوی: ۹/ ۳۴۶، ۳۴۸

ونومه فإذا قضى نهمته فليعجِّل إلى أهله"(۱)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حدیث پاک میں بلاضرورت گھر سے دور رہنے کو ناپسند کیا گیا ہے، اور جلد واپس ہونا مستحب ہے:

"قال ابن حجر: وفي الحديث كراهة التغرب عن الأهل لغير حاجة، واستحباب استعجال الرجوع ولاسيما من يخشى عليهم الضَّيعة بالغيبة، ولما في الإقامة في الأهل من الرَّاحة المعينة على صلاح الدِّين والدنيا"(۲)

اور اہل وعیال اس کے انتظار سے بے چین رہتے ہیں، خصوصا والدین کی بے قراری سب زیادہ ہوتی ہے، حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ اللہ رب العزت کے حکم سے اپنے فرزند کو اپنے سے جدا کرنے کے بعد جس بے چینی میں مبتلا تھیں، جبکہ اللہ رب العزت کی طرف سے لوٹانے کا وعدہ ہو چکا تھا، اور یہ فطری بے قراری تھی جو ایمان کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالی نے اس ماں کی بے قراری کے منظر کو قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کیا ہے، ماں نوزائدہ بچے اور صندوق کو دریائے نیل کے کنارے لائی، بچے کو آخری مرتبہ دودھ پلایا۔ پھر اسے، مخصوص صندوق میں رکھا (جس میں یہ خصوصیت تھی کہ ایک چھوٹی کشتی کی طرح پانی پر تیر سکے) پھر اس صندوق کو نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا۔

نیل کی پر شور موجوں نے اس صندوق کو جلد ہی ساحل سے دور کر دیا۔ ماں کنارے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ معاً اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل سینے سے نکل کر موجوں کے اوپر تیر رہا ہے۔ اس وقت اگر الطاف الہی اس کے دل کو سکون وقرار نہ بخشتا تو یقیناوہ زور زور سے رونے لگتی اور پھر سارا راز فاش ہو جاتا، کسی آدمی میں یہ قدرت

---

(۱) بخاری، کتاب العمرة، حدیث نمبر: ۱۸۰۴

(۲) فتح الباري لابن حجر: ۳/ ۶۲۳، دار المعرفة، بيروت

نہیں ہے کہ ان حساس لمحات میں ماں پر جو گزر رہی تھی۔ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ سکے، مگر ایک فارسی شاعرہ نے کسی حد تک اس منظر کو اپنے فصیح اور پر از جذبات اشعار میں مجسم کیا ہے:

۱ مادر موسیٰ چو موسیٰ رابہ نیل — درفگند از گفتۂ رب جلیل
۲ خودز ساحل کرد باحسرت نگاہ — گفت کائے فرزند خرد بے گناہ!
۳ گر فراموشت کند لطف خدای — چون رہی زین کشتی بے ناخدای
۴ وحی آمد کاین چہ فکر باطل است — رہروِ ما اینک اندر منزل است
۵ ما گرفتیم آنچہ را انداختی — دست حق را دیدی ونشاختی
۶ سطح آب از گاہوارش خوشتراست — دایہ اش سیلاب وموجش مادراست
۷ رودہا از خودنہ طغیان می کنند — آنچہ می گوئیم ما آن می کنند
۸ ما بہ دریا حکم طوفان می دہیم — ما بہ سیل وموج فرماں می دہیم
۹ نقش ہستی نقشی از ایوان ما است — خاک وباد وآب سرگردان ماست
۱۰ بہ کہ برگردی بہ ما بسپاریش — کی تو از ما دوستری داریش؟(۱)

۱) موسی علیہ السلام کی ماں نے حکم الٰہی کے مطابق موسی علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈال دیا۔

۲) وہ ساحل پر کھڑی ہوئی حسرت سے دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اے میرے بے گناہ ننھے بیٹے!

۳) اگر لطف الٰہی تیرے شامل حال نہ ہوتو اس کشتی میں کیسے سلامت رہ سکتا ہے جس کا کوئی ناخدا نہیں ہے۔

۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اس وقت وحی آئی کہ تیری یہ کیا خام خیالی ہے۔ ہمارا مسافر تو سوئے منزل رواں ہے۔

---

(۱) دیوان پروین اعتصامی

۵) تو نے جب اس بچے کو دریا میں ڈالا تھا تو ہم نے اسے اسی وقت سنبھال لیا تھا۔تو نے خدا کا ہاتھ دیکھا مگر اسے پہچانا نہیں۔

۶) اس وقت پانی کی سطح (اس کے لیے) اس کے گہوارے سے زیادہ راحت بخش ہے، دریا کا سیلاب اس کی دایہ گیری کررہا ہے اور اس کی موجیں آغوش مادر بنی ہوئی ہیں۔

۷) دیکھو! دریاؤں میں ان کے ارادہ و اختیار سے طغیانی نہیں آتی۔ وہ ہمارے حکم کے مطیع ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارا امر ہوتا ہے۔

۸) ہم ہی سمندروں کو طوفانی ہونے کا حکم دیتے ہیں اور ہم ہی سیل دریا کو روانی اور امواج بحر کو تلاطم کا فرمان بھیجتے ہیں۔

۹) ہستی کا نقش ہمارے ایوان کے نقوش میں سے ایک نقش ہے جو کچھ ہے، یہ کائنات تو اس کا مشتے از خروارے نمونہ ہے۔ اور خاک، پانی، ہوا اور آتش ہمارے ہی اشارے سے متحرک ہیں۔

۱۰) بہتر یہی ہے کہ تو بچے کو ہمارے سپرد کردے اور خود واپس چلی جا؛ کیونکہ تو اس سے ہم سے زیادہ محبت نہیں کرتی۔

اس لئے سفر جلد واپس ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تبلیغی جماعت میں جانا

دعوت وتبلیغ شریعتِ اسلام میں ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام، مسلمانوں میں دعوتِ فرائض وشعائر نہی عن المنکر کا کام، تصنیف وتالیف، اپنے اپنے علم وعمل کے معیار سے، سب دعوت کے اقسام میں سے ہیں، تاریخ اسلام میں مختلف زمانوں کے تقاضوں کے مطابق الگ الگ شعبہائے حیات دین میں علاحدہ علاحدہ شخصیات پیدا ہوتی ہیں، اس آخری زمانے میں اللہ نے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ سے اصلاح مسلمین اور دعوت ایمان کا حیرت انگیز، بے مثال،

عالمی سطح پر، عمومی میدان وجمیع طبقات میں کام لیا، تشویق تبلیغ سے، تعلیم مدارس سے، تکمیل خانقاہوں سے ہوا کرتی ہے، مرشدین کاملین اور علماء ربانیین کی سرپرستی ورہبری کے بغیر کوئی کام اپنی اصل ڈگر پر باقی نہیں رہ سکتا ہے، یہ دینی کام ضروری اور نافع ہے مگر کافی نہیں، من حیث الجماعت کوئی جماعت فرشتوں کی نہیں، اصلاح وتنبیہ کے سب محتاج ہیں، صرف امت بنانا اور دین زندہ کرنا مقصود ہے، فقہی مسلمات میں سے ہے کہ

(۱) اجتماعی طور پر دعوتِ دین فرض کفایہ ہے۔

(۲) انفرادی طور پر فرضِ عین ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ داعی کا انداز واسلوب جتنا سیرت وسنت سے زیادہ قریب ہوگا، اتنا ہی وہ مؤثر اور مفید ہوگا؛ لیکن کوئی طریقہ اپنی پوری ترکیب کے ساتھ منصوص نہیں، امت میں سارے رائج طریقے مجتہد فیہ ہیں، اس کی شخص کی دینی سطح، معاشی ضرورت، خاندانی پس منظر، علاقوں کی نوعیت کے اعتبار سے درست رائے دی جاسکتی ہے، عزیمت اور قربانی کی ترغیب دیتے ہوئے ان کے ذاتی احوال کا پورا تفقد ضرور کرنا چاہئے، معتدل رفتار والا زیادہ چل سکتا ہے، جذباتی اور جاہ پسند شخص سے بہت نقصان ہوتا ہے، دین اور عمل موت وآخرت کی یاد سب سے زیادہ ضروری ہے، اعذار ومسائل اس دُنیا میں ختم ہونے والے نہیں ہیں، ہم کمزروں پر مصیبتیں ہماری ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے، اعمال بدلنے سے ہی حالات بدلتے ہیں، اور عمل دل بدلے بغیر نہیں بدلتا، ماحول کی تاثیر کا کوئی انکار کرسکتا ہے، تشکیل ایک سرسری کام نہیں؛ بلکہ مدعو سے مکمل واقفیت ہی کامیاب تشکیل کی ضامن ہے۔

اجازت کے بغیر تبلیغی جماعت میں جانا

اگر والدین کو خدمت واعانت کی ضرورت ہو، ان کا خرچہ جماعت میں جانے والے شخص پر لازم ہو اور اس کے علاوہ ان کے گذارنے کی کوئی شکل نہ ہو تو اس صورت میں والدین اگر جماعت میں جانے سے منع نہ کریں، تب بھی جماعت میں جانا درست نہیں ہے:

"لا يحل سفر فيه خطر إلا بإذنهما وما لا خطر فيه يحل بلا إذن ومنه السفر في طلب العلم" (۱)

کیوں کہ والدین کی خدمت فرض عین ہے اور تبلیغی جماعت میں جانا فرض کفایہ ہے، اور فرض عین فرض کفایہ پر مقدم ہوتا ہے: "فرض العين أفضل من فرض الكفاية الخ" (۲)

البتہ اگر والدین صحیح وتندرست ہوں، انہیں خدمت واعانت کی ضرورت نہ ہو، اور وہ خود مالدار ہوں تو اس صورت میں ان کی اجازت کے بغیر بھی جماعت میں جانے کی گنجائش ہے۔

"فلو في سفر تجارة أو حج لا بأس به بلا إذن الأبوين إن استغنيا عن خدمته إذ ليس فيه إبطال حقهما" (۳)

تاہم ایسی روش اختیار نہ کی جائے جس سے والدین ناراض ہوں اور دینی خدمات انجام دینے میں آئندہ دشواریاں پیدا ہوں ان کا دل جیتنے میں وقت لگے گا مگر داعی کی تربیت بھی ہوگی اور والدین مستقبل میں حصہ لینے والے بنیں گے:

"عن عبد الله بن عمرو ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: رضى الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد" (۴)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الجهاد: ۶/ ۱۲۵، دار الفكر، بيروت

(۲) ردالمحتار: ۱/ ۴۲، دار الفكر، بيروت

(۳) ردالمحتار: ۶/ ۴۰۸، دار الفكر، بيروت

(۴) سنن الترمذي، حدیث نمبر: ۱۸۹۹، مشكوة، ص ۴۱۹: باب البر والصلة، اس موضوع پر ہماری کتاب "تبلیغی جماعت، کتب فضائل، حقائق اور غلط فہمیاں" مطالعہ کی جاسکتی ہے مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/ ۵۴۴-۵۴۸، ۸/ ۱۹۰، محقق ومدلل جدید مسائل: ۲/ ۶۳، کتاب النوازل: ۱۵/ ۱۲۰-۱۲۱، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوبار مہاراشٹرا، فتاوی عثمانی: ۱/ ۲۴۴-۲۴۲، فتاوی محمودیہ: ۲۱/ ۳۱۲

اجازت کے بغیر اولاد کا سفر

حنفیہ کے نزدیک جس سفر میں ہلاکت کا خوف ہو، اور اس میں خطرات لاحق ہوں تو والدین کی اجازت کے بغیر ایسا سفر کرنا جائز نہیں۔

اور جس سفر میں اس طرح خوف اور خطرہ لاحق نہ ہو، والدین کی اجازت کے بغیر ایسا سفر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ والدین کی حق تلفی لازم نہ آتی ہو اور ان کو ضرر لاحق نہ ہوتا ہو۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ اصول کی روشنی میں حنفیہ کے نزدیک اگر اولاد کو علم حاصل کرنے یا تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے، جس کا اپنے شہر میں معقول انتظام نہ ہو، اور سفر میں جانے سے والدین کا نان ونفقہ متأثر ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر والدین کے نان ونفقہ کا انتظام موجود ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر اس طرح کا سفر کرنا جائز ہے، لیکن اس اگر سفر پر امن نہ ہو، جس کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو والدین کے منع کرنے کی صورت میں ایسا کرنا جائز نہیں، خواہ والدین کے نان ونفقہ کا انتظام ہو یا نہ ہو۔

اجازت کے بغیر اس طرح کا علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ سفر پر امن ہو اور اس میں خطرات لاحق نہ ہوں۔

اور شافعیہ کے نزدیک جس چیز کا علم اپنے اوپر فرض یا واجب بالعین ہو تو اس کے لئے والدین کی اجازت کے بغیر سفر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ سفر پر امن ہو اور اپنے شہر میں اس کو حاصل کرنے کا انتظام نہ ہو اور حنابلہ کا قول بھی شافعیہ کے قول کے قریب ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁

---

(۱) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۶۰ / ۴ - ۶۲ / ۴

مالی معاملات میں اطاعت کا ضابطہ

والدین کے نان ونفقہ کا حکم

اگر والدین یا ان میں سے کوئی ایک نان ونفقہ کا محتاج ہو، اوران کے معاش کا انتظام اورکسب کا ذریعہ نہ ہو، تو اولاد پر بقدر ضرورت ان کا نان ونفقہ واجب ہے، چاہے والدین دیندار ہوں اور غیر مسلم والدین کا حکم آگے آتا ہے، لیکن یاد رہے کہ اولاد پر والدین کا نان ونفقہ اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ اولاد کو مالی اعتبار سے اس کی قدرت وحیثیت ہو؛ بلکہ غریب ہے؛ لیکن وہ کمائی کرنے پر قادر ہے تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی اولاد پر واجب ہے کہ وہ کمائی کر کے والدین کے نان ونفقہ کا بندوبست وانتظام کرے، ورنہ وہ گناہ گار شمار ہوتی ہے۔

اور اگر والدین خود سے مالدار اور صاحبِ حیثیت ہیں اور ان کو اپنے نان ونفقہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اولاد کے تعاون کی ضرورت نہیں تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں والدین کا نان ونفقہ اولاد پر واجب نہیں اور بعض حضرات اس صورت میں بھی اولاد پر نان ونفقہ کو واجب قرار دیتے ہیں، بہر حال اگر والدین کی طرف سے مطالبہ ہو، تو اپنی حسبِ حیثیت اولاد کو اس میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔

اور والدین کی ضرورت وسہولیات کا حسبِ حیثیت ممکنہ حد تک خیال رکھنا چاہئے، جس کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے، لیکن اسی کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔(۱)

---

(۱) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۵۴

والد کا اولاد سے مال کا مطالبہ

اولاد کی ذمہ داری ہے کہ والدین کے حقوق میں مالی تعاون میں جودوسخاوت سے کام لے، البتہ اگر شرعی حقوق ادا کرنے کے بعد بھی اگر والدِ محترم مزید مال کا مطالبہ کرے تو والد کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟اور اولاد کو اطاعت کرنا واجب ہے یا نہیں ؟اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک والد کی بوقت ضرورت اولاد کے مال پر ملکیت ثابت ہوتی ہے، اور بلاضرورت اولاد کا مال لینا یا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے:

"وظاهره يقتضي أن يكون للأب في مال ابنه حقيقة الملك، فإن لم تثبت الحقيقة فلا أقل من أن يثبت له حق التمليك عند الحاجة"(۱)

فقہ مالکی میں ہے کہ: والد کو اولاد کا مال لینے سے منع کیا جائے گا "لا يجوز له أخذ مال ولده لغير حاجة"(۲) فقہ شافعی میں ہے کہ: باپ اگر صاحب وسعت ہے تو اودلاد کا مال لینا درست نہیں ہے:"فقلت: لا، لأن من أخذ بهذا جعل للأب المؤسر أن يأخذ مال ابنه"(۳) جمہور کی روایات کا خلاصہ یہ ہوا کہ بلاضرورت اولاد کے مال پر والد کو ملکیت حاصل نہیں ہوگی، ضرورت سے زائد مطالبہ کا حق نہیں ہوگا، اولاد کی رضامندی کے بغیر ان کا مال لینا درست نہیں ہوگا۔

اس موضوع پر ہبہ، وصیت اور میراث کے مفصل مسائل، تقسیم جائیداد سے متعلق پیش آنے والے جزئیات پر مشتمل ہماری کتاب بنام ''تقسیم جائیداد کے اسلامی اصول'' سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل في نفقة الأقارب: ۴/ ۳۰، دار الكتب العلمية

(۲) مواهب الجليل شرح مختصر الخليل: ۵/ ۳، دار الفكر

(۳) الرسالة للشافعي: ۴۶۸، المكتبة العلمية، بيروت

امام احمد بن حنبل ؒ کا مسلک یہ ہے کہ :والد کو اپنی اولاد کے مال میں حق حاصل ہے خواہ ضرورت سے ہو یا بلاضرورت ،بالغ ونابالغ ،رضامندی اور ناراضگی ،اولاد کی اجازت سے یا بغیر اجازت مطلقاً لینے کا حق حاصل ہے:

"و لأب فقط إذا كان حرّا أن يتملك من مال ولده ما شاء ... مع حاجة الأب ... ومع عدمها في صغر الولد وكبره وسخطه ورضاه وبعمله وبغيره"(۱)

البتہ حنابلہ میں اس اطلاق کے ساتھ چند قیودات بھی ہیں:

۱۔ والد جو مال لیں گے وہ اولاد کا فاضل اور زائد مال ہو،اگر انہیں اس مال کی ضرورت ہو تو لینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اس سے اولاد کو ضرر لاحق ہوگا:

"أحدها: أن يكون مايتملكه الأب فاضلاً عن حاجة الولد، لئلا يضره بتملكه"

۲۔ والد کو یہ حق نہیں ہے کہ ایک بیٹے کے پاس سے لیکر دوسرے بیٹے کو دیدے، کیونکہ والد کا خود اپنے مال کے ذریعہ اولاد میں برابر نہ رکھنا شرعاً ناپسندیدہ ہے تو اولاد کا مال لے کر دوسری اولاد کو دے کر برابری نہ کرنا مزید ناپسندیدہ عمل ہے:

"الثاني: أن لا يعطيه الأب لولد أخر، فلا يتملك من مال ولده زيد ليعطيه لولده عمرو"

۳۔ اولاد کا مال کسی ایک کے مرض الموت کی حالت میں نہ لے،یعنی اولاد کے مرض میں یا والد اپنے مرض میں وہ مال لینا درست نہیں ہے، کیونکہ مرض الموت کی وجہ سے مالک کی ہی ملکیت ختم ہوگئی ہے،اور اس میں وارثین کا حق متعلق ہوگیا ہے:

"الثالث: أن لا يكون التملك في مرض موت أحدهما"

۴۔ والد اور اولاد میں اختلاف دین نہ ہو،مثلا کافر باپ اپنے مسلمان بیٹے کا مال یا

---

(۱) کشف القناع: ۴/ ۳۱۷،دار الكتب العلمية

مسلمان باپ اپنے کافر بیٹے کا مال نہ لے:

"الرابع: أن لايكون الأب كافراً والابن مسلماً، لاسيما إذا كان الابن كافراً ثم أسلم".

۵۔ عین مال کا مالک بنے گا، اولاد کے قرض کا مالک نہیں بنے گا، کیونکہ قرض میں قبضہ سے پہلے تصرف درست نہیں ہے:

"الخامس: أن يكون مايتملكه الأب عيناً موجودة فلا يتملك دين ابنه، لأنه لايملك التصرف فيه قبل قبضه"

۶۔ والد کو اس بات کی اجازت نہیں کہ اولاد کے مال پر قبضہ سے پہلے تصرف کرے، اولاد کو تو اپنے مال پر پوری ملکیت حاصل ہے، اس لئے تصرف صحیح ہے، اور والد کو ملکیت تام نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے تصرف نہیں کرسکتا، اس لئے والد اولاد کا قرضہ معاف نہیں کرسکتا۔

"السادس: (ولا يصح تصرفه) أي: الأب (فيه) أي: في مال ولده (قبل ذلك) أي: قبل القبض مع القول والنية... لأن ملك الابن تام على مال نفسه يصح تصرفه فيه... (ولا يملك أن إبراء نفسه) من دين ولده (ولا) يملك الأب أيضا (إبراء غريم ولده)" (۱)

جمہور کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت جس میں فرمایا گیا: ''اگر والد کو بلاضرورت اولاد کا مال لینے کا حق ہوتا تو انفاق کے مواضع میں والد کا ذکر نہ ہوتا'':

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (۲)

---

(۱) كشف القناع للبهوتي: ۴/۳۱۷، ۳۱۸، دار الكتب العلمية (۲) البقرة: ۲۱۵

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ”جب اللہ تعالی نے وارثین کا حق بیان فرمایا تو ان میں والد کا بھی ذکر فرمایا، اگر والد کو اولاد کے مال میں ملکیت پہلے سے حاصل ہوتی تو عام وارثین میں والد کا ذکر نہ ہوتا“۔

يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ (۱)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے خون، اموال، اور عصمت کو اللہ تعالی نے تم پر حرام کیا ہے، جیسے آج کے دن کی حرمت ہے، اور اس شہر کی حرمت ہے، اور اس مہینہ کی حرمت ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والد کا استثناء نہیں فرمایا اور مال کی حرمت کو بدن کی حرمت کے برابر قرار دیا ہے، اور بدن پر ملکیت بلا ضرورت حاصل نہیں اسی طرح مال پر ملکیت یعنی تصرف بلاضرورت درست نہیں ہے:

"عن ابن عباس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ خطب الناس يوم النحر فقال ياأيها الناس أي يوم هذا قالوا يوم حرام قال فأي بلد هذا قالوا بلد حرام قال فأي شهر هذا قالوا شهر حرام قال فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا" (۲)

حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مندرجہ ذیل آیت میں اولاد کو شئ موہوب قرار دیا ہے، جب اولاد خود شئ موہوب ہے تو اس کا مال بدرجہ اولی شئ موہوب ہوگا جس طرح غلام ہبہ میں دیا جاتا ہے، اور اس پر ملکیت حاصل ہے:

---

(۱) سورۃ النساء:۱۱ (۲) صحیح بخاری، کتاب الحج، حدیث نمبر:۱۷۳۹

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ (۱)

دوسری دلیل وہ تفصیلی واقعہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس ایک صحابی آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ مجھ سے پوچھتا تک نہیں اور میرا مال خرچ کر لیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا بلاؤ اسکے باپ کو۔ انکے باپ کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے نے بارگاہ نبوت میں میری شکایت کی ہے تو انہوں نے دکھ اور رنج کے کچھ اشعار دل میں پڑھے، زبان سے ادا نہیں کیے۔ جب حضور ﷺ کے پاس پہنچے تو ادھر جبرائیل امین آ گئے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ، اللہ فرما رہے ہیں کہ اس سے فرمائیں پہلے وہ اشعار سنائے جو تمہاری زبان پر نہیں آئے بلکہ تمہارے دل نے پڑھے ہیں اور اللہ نے عرش پر ہوتے ہوئے بھی ان کو سن لیا ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی فرمائش پر وہ صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ! قربان جاؤں آپ کے رب پر وہ کیسا رب ہے میرے اندر تو ایک خیال آیا تھا اللہ نے وہ بھی سن لیا۔ فرمایا: اچھا پہلے وہ اشعار سناؤ پھر تمہارے مقدمے کا فیصلہ کریں گے۔ تو ان صحابی نے اشعار سنائے جن کا ترجمہ یہ ہے:

اے میرے بچے میں نے تیرے لیے اپنا سب کچھ لگا دیا۔
جب تو گود میں تھا تو میں اس وقت بھی تیرے لیے پریشان رہا۔
تو سوتا تھا اور ہم تیرے لیے جاگتے تھے۔
تو روتا تھا اور ہم تیرے لیے روتے تھے۔
اور سارا دن میں تیرے لیے خاک چھانتا تھا اور روزی کماتا تھا۔
اپنی جوانی کو گرمی اور خزاں کے تھپیڑوں سے پٹواتا تھا۔
مگر تیرے لیے گرم روٹی کا میں نے ہر حال میں انتظام کیا۔
کہ میرے بچے کو روٹی ملے، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے۔

---

(۱) سورۃ الأنبیاء: ۷۲

اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے۔
چاہے میرے آنسوؤں کے سمندر اکٹھے ہو جائیں۔
جب کبھی تو بیمار ہو جاتا تھا تو ہم تیرے لئے تڑپ جاتے تھے۔
تیرے پہلو بدلنے پر ہم ہزاروں وسوسوں میں مبتلا ہو جاتے تھے۔
تیرے رونے پر ہم بے قرار ہو جاتے تھے۔
تیری بیماری ہماری کمر توڑ دیتی تھی اور ہمیں مار دیتی تھی۔
ہمیں یوں لگتا تھا تو بیمار نہیں بلکہ میں بیمار ہوں۔
تجھے درد نہیں اٹھا بلکہ مجھے درد اٹھا ہے۔
تیری ہائے پر ہماری ہائے نکلتی تھی۔
اور ہر پل یہ خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں میرے بچے کی جان نہ چلی جائے۔
اس طرح میں نے تجھے پروان چڑھایا اور خود میں بڑھاپے کا شکار ہوتا رہا۔
تجھ میں جوانی رنگ بھرتی چلی گئی اور مجھ سے بڑھاپا جوانی چھینتا چلا گیا۔
پھر جب میں اس سطح پر آیا کہ اب مجھے تیرے سہارے کی ضرورت پڑی ہے۔
اور تو اس سطح پر آ گیا ہے کہ تو بے سہارا چل سکے۔
تو مجھے تمنا ہوئی کہ جیسے میں نے اسے پالا ہے یہ بھی میرا خیال کرے گا۔
جیسے میں نے اس کے ناز برداشت کیے ہیں، یہ بھی میرے ناز برداشت کرے گا۔
لیکن تیرا لہجہ بدل گیا، تیری آنکھ بدل گئی، تیرے تیور بدل گئے۔
تو مجھے یوں سمجھنے لگا کہ جیسے میں تیرے گھر کا نوکر ہوں۔
تو مجھ سے یوں بولنے لگا کہ جیسے میں تیرا زرخرید غلام ہوں۔
تو یہ بھی بھول گیا کہ میں نے تجھے کس طرح پالا۔
تیرے لئے کیسے جاگا، تیرے لئے کیسے رویا، تڑپا اور مچلا۔
آج تو میرے ساتھ وہ کر رہا ہے جو آقا اپنے نوکر کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔

اگر تو مجھے بیٹا بن کر نہیں دکھا سکا۔
اور مجھے باپ کا مقام نہیں دے سکا۔
تو کم از کم پڑوسی کا مقام تو دیدے۔
کہ پڑوسی بھی پڑوسی کا حال پوچھ لیتا ہے۔
اور تو بخل کی باتیں کرتا ہے۔

غَذَوْتُكَ مَوْلُودًا وَمُنْتُكَ يَافِعًا تُعَلُّ بِمَا أَجْنِي عَلَيْكَ وَتَنْهَلُ
إِذَا لَيْلَةٌ ضَافَتْكَ بِالسُّقْمِ لَمْ أَبِتْ لِسُقْمِكَ إِلَّا سَاهِرًا أَتَمَلْمَلُ
كَأَنِّي أَنَا الْمَطْرُوقُ دُونَكَ بِالَّذِي طُرِقْتَ بِهِ دُونِي فَعَيْنَايَ تَهْمُلُ
تَخَافُ الرَّدَى نَفْسِي عَلَيْكَ وَإِنَّهَا لَتَعْلَمُ أَنَّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجَّلُ
فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْغَايَةَ الَّتِي إِلَيْهَا مَدَى مَا فِيكَ كُنْتُ أُؤَمِّلُ
جَعَلْتَ جَزَائِي غِلْظَةً وَفَظَاظَةً كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ
فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِي فَعَلْتَ كَمَا الْجَارُ الْمُجَاوِرُ يَفْعَلُ

یہ اشعار سننے پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا: اٹھ جا میری مجلس سے، تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کا ہے:

"فحينئذٍ أخذ النبي ﷺ بتلابيب ابنه وقال: أنت ومالُك لأبيك"(۱)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کو اور اولاد کے مال کو اس کے والد کی ملکیت قرار دیا ہے۔

تیسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) الروض الداني إلى المعجم الصغير للطبراني: ۲/ ۱۵۲، حدیث نمبر: ۹۴۷، صحيح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب حقوق الوالدین: ۲/ ۱۴۲، حدیث نمبر: ۴۱۰

بہترین مال جو آدمی کھائے اس کی اپنی کمائی سے ہے اور اولاد بھی انسان کی کمائی میں سے ہے:

"إن من أطيب ما أكل الرجل من كسبه، وولده من كسبه"(۱)

جمہور آیت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ: آیت میں ''وھب'' سے مراد ہبۂ اصطلاحی (جس میں ملکیت حاصل ہوتی ہے) نہیں ہے بلکہ بڑھاپے کی عمر میں اولاد عطا کرنے کو اللہ تعالی نے ''ہبہ'' فرمایا ہے، کیونکہ عادۃ بڑھاپے کی عمر میں اولاد نہیں ہوتی۔

اور "أنت ومالك لأبيك" حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث مخصوص منہ البعض ہے، یعنی حدیث پاک اولاد کا مال حالت یسر اور حالت عسر میں لینا ثابت ہو رہا ہے، لیکن فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ والد کے لئے حالت یسر میں اولاد کا مال بغیر ان کی رضامندی کے لینا جائز نہیں ہے، اب رہ گئی یہ صورت کہ حالت عسر میں حاجت سے زیادہ لینا یا بغیر حاجت کے لینا درست نہیں ہے:

"وبقي... حكم العموم في حال الاعسار في مقدار الحاجة"(۲)

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ والد کو اولاد کے مال میں ملکیت حاصل ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر والد اولاد کے مال سے کچھ لے لے تو روکنا نہیں چاہئے، جیسے خود اولاد اپنے مال میں خرچ کرتے وقت بلا تکلف تصرف کر لیتے ہیں اسی طرح والد کے تصرف پر راضی رہنا چاہئے:

"وإنما هو على أنه لا ينبغي للابن أن يخالف الأب في شيء من ذلك، وأن يجعل أمره فيه نافذًا، كأمره فيما يملك"(۳)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۳۵۲۸

(۲) شرح مختصر الطحاوی للجصاص: ۳۰۱/۵

(۳) شرح معاني الآثار، حدیث نمبر: ۶۱۵۱

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ اپنے والد کے ساتھ اجنبیوں جیسا معاملہ کرے، بلکہ قول میں جس طرح نرمی واجب ہے اسی طرح فعل میں بھی نرمی واجب ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ والد اولاد کی حیات میں ان کی رضامندی کے بغیر حاجت سے زیادہ استعمال کرے:

"قال أبو حاتم معناه أنه ﷺ زجر الرجل عن معاملته أباه بما يعامل به الأجنبيين، وأمره ببره والرفق به في القول والفعل معًا، إلى أن يصل إليه ماله، فقال له: أنت ومالك لأبيك"(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں شرعی ملکیت وحق بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ والد کے ساتھ حسن سلوک میں مبالغہ سے کام لینے کی ترغیب ہے۔

تیسری حدیث کا مطلب بھی عام نہیں ہے، بلکہ وہ بھی احتیاج کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری اولاد تمہارے لئے اللہ کی طرف سے ہبہ ہے، اللہ جسے چاہے لڑکی اور جس کو چاہے لڑکا عطا کرے، وہ اور ان کے اموال تمہارے لئے ہیں، جب تمہیں اس کی ضرورت ہو:

"إن أولادكم هبة الله لكم، يهب لمن يشاء إناثا، ويهب لمن يشاء الذكور، فهم وأموالهم لكم إذا احتجتم إليها"(۲)

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ "أطيب ما أكل" فرمایا ہے، لہٰذا والد کو لڑکے کے گھر سے جتنا چاہے کھانے کا حق ہے، لیکن بلا ضرورت لینے اور ملکیت میں لانے کا حق نہیں ہے:

"ثم أنه قوله: إن أطيب ما أكل الرجل من كسب يده،

---

(۱) الاحسان لصحیح ابن حبان: ۲/ ۱۴۳

(۲) مستدرك حاكم، كتاب التفسير: ۲/ ۳۱۲، حدیث نمبر: ۳۱۲۳

وولده من كسبه، إنما هو في الأكل، فيأكل منه ما شاء من بيته، وغير بيته، وليس هو في الأخذ والتملك"(۱)

حاصل یہ کہ والد کے اپنی اولاد سے بقدرضرورت مال لینے میں جانبین کے حقوق کی رعایت ہے، اس لئے والد بھی بلاضرورت نہ لے اور بوقت ضرورت وبقدرضرورت لینے پراولادمنع نہ کرے، پس اگراولادحقوقِ واجبہ ادا کرنے کے بعد بھی والد کے بلاضرورت مال کا مطالبہ کرنے پر مال نہ دیں تو اولاد شرعاً نافرمان شمار نہیں ہوگی، البتہ اولاد کو چاہئے کہ اپنے والد کے خرچ کرنے میں کسی طرح کی کمی نہ کرے، جس قدر ہوسکے ان کے ساتھ احسان وحسن سلوک کا معاملہ کرے، اگرحد سے زائد مال کا مطالبہ کرے تو عمدہ طریقہ سے منع کرے۔ اوروالد بھی اپنی اولاد کونافرمانی پر مجبور نہ کرے، بلکہ فرمانبرداری میں معاون بننے کی کوشش کرے۔

والدہ کا اولاد کے مال سے مطالبہ

والدہ اگر مال کا مطالبہ کریں تو اطاعت واجب ہے یا نہیں؟ اوروالدہ کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

مسالک اربعہ میں یہ جزیہ صراحۃً نہیں مل سکا، البتہ فقہ حنبلی میں اس کے متعلق دوقول منقول ہیں، ایک یہ ہے کہ والدہ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی اولاد سے مال کا مطالبہ کرے۔ دوسراقول یہ ہے کہ والد کی طرح والدہ کو بھی مال کے مطالبہ کا اختیار ہے۔(۲)
پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال نہ لے اور نہ ہی اس سے مطالبہ کرے، لیکن والد کے حق میں حدیث خلاف قیاس منقول ہے، اس لئے والد کا استثناء رہے گا۔ دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ "أنت ومالك لأبيك"عام ہے والداوروالدہ دونوں کو شامل ہے:"لعموم قوله ﷺ:"أنت ومالك

(۱) فتح القدیر لابن ھمام:۳/۳۸۷

(۲) الانصاف للمرداوی:۷/۱۵۵

لأبيك، فإنه يعم الأم" (۱) دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "إن أولادكم من أطيب كسبكم، فكلوا من كسب أولادكم" (۲) اور اولاد صرف والد سے نہیں پیدا ہوتی ہے، اولاد کے کسب میں والدہ کا بھی دخل ہے، اس لئے والدہ لفظ ''کسب اور کم'' کے عموم میں داخل ہے۔

لیکن حنابلہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے کہ شرعاً والدہ کو اولاد کے مال سے لینے کا حق نہیں ہے جس طرح والد کو حق ہے، مسئلہ کی پہلی دلیل قوی ہے، البتہ اولاد کو چاہئے کہ اخلاقاً بوقت حاجت مال لینے پر والدہ کو منع نہ کرے، جس ماں نے ایام حمل میں اٹھایا، وضع حمل کی مشقت برداشت کی، ایام رضاعت سے دوچار ہوئیں، اور جس کی گود تربیت کی پہلی درسگاہ رہی، ان تمام خدمات کے مقابلہ میں ساری دنیا کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے، اس لئے والدہ کے ساتھ سخاوت سے پیش آئے۔

والدین کا ہدیہ واپس مانگنا

ہدیہ کہتے ہیں وہ مال جو بغیر عوض کے زندگی میں دیا جائے: "وجملة ذلك أن الهبة والصدقة... وكلها تمليك في الحياة بغير عوض" (۳) اسلام میں ہدیہ کی خوب ترغیب آئی ہے کہ یہ محبت میں اضافہ کا سبب ہے، اگر کسی شخص کے والدین ہدیہ کرنے کے بعد واپس کرنے کا مطالبہ کریں تو اس میں والدین کی اطاعت کرتے ہوئے لیا ہوا ہدیہ واپس کرنا درست ہے یا نہیں؟ پہلے تو یہ جان لینا چاہیے کہ والدین کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو کوئی چیز ہدیہ (تحفہ، گفٹ) کرنا اور باقی اولاد کو نہ کرنا، تو یہ اسلامی رو سے درست نہیں بلکہ ظلم وجبر ہے، اس کے بعد رہا مسئلہ واپس لینے کا تو اس میں فقہاء کرام

---

(۱) الانصاف للمرداوی: ۷/ ۱۵۵

(۲) أبو داؤد، كتاب الإجارة، باب فی الرجل يأكل من مال ولده، حدیث نمبر: ۳۵۳۰، علجونی کہتے ہیں: اس کو امام احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، یہ حدیث قوی ہے، ۱/ ۲۴۳، المكتبة العصرية، الطبعة الأولى، ۱۴۲۰ھ

(۳) المغنی لابن قدامة: ۶/ ۴۱، الناشر: مكتبة القاهرة

کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہ ہے کہ والدین کا مطالبہ درست ہے، البتہ اس کے لئے چند شرائط ہیں:

۱) شئی موہوب ملکیت میں موجود ہو۔

۲) شئی موہوب اولاد کے تصرف میں ہو۔

۲) شئی موہوب میں کسی طرح کا اضافہ وزیادتی نہ ہوئی ہو۔

۴) شئی موہوب لے کر کسی دوسری اولاد کو دینے کا ارادہ نہ ہو۔

۵) شئی موہوب غیر مال نہ ہو۔

۶) واپس لینے کا مطالبہ صریح قول سے یا کتابت کے ذریعہ ہو۔

۷) فوراً واپس لے لیا جائے واپسی کو معلق نہ رکھا جائے۔(۱)

البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک رجوع کرنے میں یہ بھی شرط ہے کہ والدہ نے یتیم بچے کو ہدیہ نہ کیا ہو اگر یتیم کو ہدیہ کیا ہو تو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے:

"وللأب اعتصارها من ولده كأم فقط، وهبت ذا أب، وإن مجنونا، ولو يتميًا على المختار إلا فيما أريد به الأخرة)

ش: يعني أن الأم إذا وهبت لولدها، فإن كان له أب فلها أن تعتصر منه، وإن لم يكن له أب فلا تعتصر منه"(۲)

فقہ حنفی میں ہدیہ کرنے کے بعد رجوع کرنا درست نہیں ہے: "فلو وهب لذي رحم محرم منه نسبا... لا يرجع"(۳)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہدیہ دے کر واپس لے لینے والے کی مثال اس کتے کی ہے جو قے کر کے اپنی قے کھالیتا ہے، تو جب ہدیہ

---

(۱) الأحكام الفقهية المتعلقة ببر الوالدين: ۱۱۳

(۲) مواهب الجليل شرح مختصر الخليل للحطاب: ۸/ ۲۴-۲۶

(۳) ردالمحتار: ۵/ ۷۰۴، دار الفكر، بيروت

دینے والا واپس مانگے تو پانے والے کو ٹھہر کر پوچھنا چاہئے کہ وہ واپس کیوں مانگ رہا ہے، (اگر بدل نہ ملنا سبب ہو تو بدل دیدے یا اور کوئی وجہ ہو تو) پھر اس کا دیا ہوا اسے لوٹا دے:

"مَثَلُ الَّذِي يَسْتَرِدُّ مَاوَهَبَ كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَقِيءُ فَيَأْكُلُ قَيْئَهُ، فَإِذَا اسْتَرَدَّ الْوَاهِبُ فَلْيُوَقَّفْ، فَلْيُعَرَّفْ بِمَا اسْتَرَدَّ، ثُمَّ لِيُدْفَعْ إِلَيْهِ مَاوَهَبَ" (۱)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئی ایک یہ کہ ہدیہ واپس لینا ناپسندیدہ عمل ہے۔ دوسری بات یہ کہ واپس لینے کے بعد لوٹا دینا واجب ہے: "صحة الرجوع فيها إذا رجع، ووجوب ردها عليه" (۲)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جب ذی رحم محرم کو ہدیہ دیا جائے تو واپس نہ لے: "إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها" (۳)

عقلی دلیل یہ ہے کہ ہدیہ کا مقصود صلہ رحمی ہے، اور واپس لینے میں قطع رحمی ہے، والدین اور اولاد میں قطع رحمی کا سبب ہدیہ واپس لینا ہوگا اور اس سے اولاد میں نافرمانی کا مادہ ابھرے گا، جبکہ صلہ رحمی اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے ایسے عمل سے احتراز کرے جس سے قطع رحمی ہوتی ہو یا نافرمانی کا اندیشہ ہو:

"وهذا لأن المقصود قد حصل وهو صلة الرحم، ولأن في الرجوع معنى قطعية الرحم، وهذا موجود في حق الوالد مع ولده، لأنه بالرجوع يحمله على العقوق، وإنما أمر الوالد أن يحمل ولده على بره" (۴)

---

(۱) سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۳۵۴۰، السنن الكبرى للبيهقي، حدیث نمبر: ۱۲۰۲۷، كنز العمال، حدیث نمبر: ۴۶۱۶۴، المسند الجامع، حدیث نمبر: ۸۴۹۰

(۲) شرح مختصر الطحاوی: ۳۰/۴

(۳) سنن بیهقی: ۲۹۶/۶، حدیث نمبر: ۱۲۰۲۶، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، التلخیص الحبیر: ۷۳/۳، حدیث نمبر: ۱۳۳۰

(۴) المبسوط للسرخسی: ۵۵/۱۲

ائمہ ثلاثہ کے دلائل یہ ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کو کوئی عطیہ دے، یا کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور پھر اسے واپس لوٹا لے، سوائے والد کے کہ وہ بیٹے کو دے کر اس سے لے سکتا ہے، اس شخص کی مثال جو عطیہ دے کر (یا ہبہ کر کے) واپس لے لیتا ہے کتے کے جیسی ہے، کتا پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے، پھر قے کرتا ہے، اور اپنے قے کئے ہوئے کو دوبارہ کھا لیتا ہے:

"لَا يحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً أَوْ يَهَبَ هِبَةً فَيَرْجِعَ فِيهَا، إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ، وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ، ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ يَأْكُلُ فَإِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ" (۱)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دیا، تو عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا (نعمان کی والدہ) نے کہا کہ جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر گواہ نہ بنائیں میں راضی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ (حاضر خدمت ہو کر) انہوں نے عرض کیا کہ عمرہ بنت رواحہ سے اپنے بیٹے کو میں نے ایک عطیہ دیا تو انہوں نے کہا کہ پہلے میں آپ کو اس پر گواہ بنا لوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اسی جیسا عطیہ تم نے اپنی تمام اولاد کو دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کو قائم رکھو۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے اور ہدیہ واپس لے لیا:

"أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ رضی اللہ عنہا: لاَ أَرْضى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، فَقَالَ: إِنِي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: أَعْطَيْتَ سَائِرَ

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۳۵۳۹

وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ"(۱)

خلاصہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اولاد کو ہدیہ دے کر واپس لینا درست ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے، کیوں کہ اس میں قطع رحمی پائی جاتی ہے، جہاں تک نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے جس سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس حدیث اور اس جیسی احادیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ والد کا یہ رجوع کرنا درحقیقت رجوع نہیں تھا؛ کیوں کہ ابھی تک ہبہ منعقد نہیں ہوا تھا، تام نہیں ہوا تھا، اور اگر تام ہوگیا تھا تو واپس لینے کا حکم بحیثیت ولی الامر کے دیا گیا، لہٰذا اس بات پر استدلال نہیں ہوسکتا کہ باپ اپنے بیٹے کو دیئے ہوئے ہدیہ کو عام حالات میں واپس لے سکتا ہے۔

اور جن رایتوں میں استثناء کیا گیا ہے باپ بیٹے سے ہبہ رجوع کرسکتا ہے "الا الوالد يرجع فيما أعطاه لوالده" تو اس حدیث کا تعلق قضا سے ہے، یعنی ہدیہ دے کر واپس لینا خلافِ مروت اور قطع رحمی کا سبب ہے، البتہ اگر قاضی کے فیصلہ سے لینا چاہے تو لینا جائز اور درست ہے دیانۃً اور اخلاقاً درست نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ باپ نے ہبہ کیا، پھر اس کو ضرورت پیش آجائے (جس کے بغیر ضرر ہوسکتا ہے) تو "أنت ومالك لأبيك" کے لحاظ سے باپ زیادہ حقدار ہوگا، رجوع کرنے کا تاکہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے۔

الغرض ہدیہ دے کر واپس لینا خصوصاً ذی رحم محرم سے واپس لینا خلاف مروت قطع رحمی کا سبب ہے البتہ قاضی کے فیصلہ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔(۲)

بذل المجہود میں اس کا ایک اور جواب لکھا ہے کہ باپ کا ہدیہ واپس لینا یہ رجوع

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۲۵۸۷

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے، انعام الباری: ۷/۲۹۵-۲۹۸

عن الھبہ کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ باپ بیٹے کی ساری چیزوں کا مالک ہے، "أنت و مالك لأبيك" حدیث کی وجہ سے شریعت نے اس بات کی گنجائش دی ہے کہ باپ اپنے فاقہ کے وقت میں بیٹے کی چیزوں کو اخذ کرسکتا ہے:

"لأن أخذ الوالد ليس برجوع في الحقيقة، إنما هو تمليك من الأب لهذا الشيء كسائر أملك الابن لا لكونه هبة، بل لكونه ملك ولده، وقد رخص له الشارع أن يتملك أملاك ابنه عند فاقته إليها"(۱)

ماں کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے؟

بیوی کے نفقہ کے سوا دیگر اہل قرابت کا نفقہ مرد کے ذمہ اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو، جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے اور والدین بھی اس حکم میں داخل ہیں اور بیوی کا نفقہ ہر صورت میں فرض ہے خواہ شوہر فقیر ہو یا امیر ہو (حاشیہ شرح وقایہ) پس معلوم ہوا کہ جب تک ذکر کردہ مال کی مقدار مرد کے پاس نہ ہو تو والدین کا نفقہ (ضروری خرچ) واجب نہ ہوگا، اس تصریح سے یہ غرض نہیں کہ انسان والدین سے بے رُخی اور ان کے ادائے حقوق میں کوتاہی اور ان کی احسان فراموشی کرے، یہ بہت بری بات ہے، بلکہ غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ مبالغہ دور کردینا ہے۔(۲)

حدیث "أنت و مالك لأبيك" کی توضیح

حدیث "أنت و مالك لأبيك" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اولاد کے کل مال وجائیداد کا والد مالک ہوتا ہے، اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، جیسا کہ اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ مفہوم لیا ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ اولاد کے مال میں بقدر ضرورت وحاجت لے سکتا ہے، حضرت ابوبکر ص کے یہاں یہ واقعہ پیش آیا

---

(۱) بذل المجھود: ۱۱/ ۲۶۷

(۲) رسالہ حقوق الوالدین، مؤلفہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

توانہوں نے اس حدیث کی ایسی ہی تشریح فرمائی:

حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ: ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے پاس آیا، کہنے لگا: میرے والد میرا تمام مال کسی ضرورت سے لینا چاہتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے اس نوجوان کے والد سے فرمایا: تمہیں اس کے مال سے بقدر کفایت ہی لینے کا حق ہے: "إنما لك من ماله ما يكفيك" اس نے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! کیا نبی کریم ﷺ نے یوں نہیں فرمایا: "أنت و مالك لأبيك" حضرت ابوبکر صدیق ﷛ نے فرمایا: ہاں، حضور ﷺ نے اس سے نفقہ ہی مراد لیا ہے؛ لہٰذا اس حوالہ سے تم اللہ کی تقسیم پر راضی رہو'۔(۱)

والد کے ساتھ کمایا ہوا مال

حدیث شریف میں ہے کہ "أنت و مالك لأبيك" اور ردالمحتار میں ہے:

"ثم هذا في غير الابن مع أبيه لما في القنية: الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له الخ (۲)

حدیث بالا اور مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے نے جو کچھ کما کر باپ کو دیا اور باپ نے خرچ کیا بیٹے کو اس کے مطالبہ کا حق باپ سے نہیں، خواہ بیٹے کی کمائی ہوئی رقم سے زمین خریدی جائے اور اسی کی کمائی سے گھر کی تعمیر کی جائے اور بھائی بہنوں کے نکاح کا انتظام کیا جائے، بیٹے کو باپ سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔(۳)

بچہ کے مال کی ولایت میں والد کا درجہ مقدم

حنفیہ کے نزدیک بچہ کے مال کی ولایت کا حق پہلے والد کو حاصل ہوتا ہے، پھر

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: باب نفقة الأبوين، حدیث نمبر: ۱۵۵۳۲

(۲) الدر المختار و حاشية ابن عابدين، فصل فی الشركة الفاسدة: ۳۲۵/۴

(۳) مستفاد امداد المفتیین: ۱/ ۱۷۵، فتاوی قاسمیہ: ۲۰/ ۱۴۸، ۱۸۵، محمود الفتاوی: ۲/ ۳۸۲، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۲/ ۶۴

والد کے مقرر کردہ وصی (یعنی جس کو ولی ہونے کی والد نے فوت ہونے سے پہلے وصیت کی ہو) کو حاصل ہوتا ہے پھر دادا کو حاصل ہوتا ہے، پھر قاضی کو حاصل ہوتا ہے۔

اور اکثر فقہاء کرام کے نزدیک ماں کو اپنے چھوٹے بچے کے مال کی ولایت کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

اور اسی طرح ماں کو اولاد کے نکاح کی ولایت حاصل نہیں ہوتی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب رشتہ داروں میں کوئی مرد ولی نہ ہو تو ماں کو نکاح میں ولی ہونے کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔(۱)

نفقۂ والدین کی اہمیت

والدین پر خرچ کرنے اور والدین کے نفقہ کی بڑی اہمیت وفضیلت ہے اور یہ اجر عظیم کا سبب ہے، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ ہم کیا خرچ کریں؟ تو قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی کہ جو بھی خرچ کرو سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت میں صرف کرو، جو تمہارے وجود ظاہری کا سبب ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ الخ (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کیا تم لوگ کسی ایسے خرچ کو جانتے ہو جو جہاد فی سبیل اللہ کے خرچ سے بھی افضل ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اولاد کا اپنے والدین پر خرچ کرنا سب سے افضل ہے:

"قال رسول الله ﷺ : هل تعلمون نفقة أفضل من نفقة في سبيل الله؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: نفقة الولد على الوالدين" (۳)

---

(۱) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۶۹ (۲) البقرۃ: ۲۱۵

(۳) البر والصلة للحسين بن حر، حديث نمبر: ۴۱

اور والدین کے سلسلہ میں تگ ودو کرنے اور کوشش کرنے کو جہاد میں جانے کے مترادف قرار دیا ہے: "من سعی علی والديه ففي سبيل الله" (۱)

فقہاء کی عبارات سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ والدین کا نفقہ واجب ہے، اور اولاد کے لئے یہ باعث سعادت ہے، لہٰذا جس سے جو بن پڑے اور جتنا ہو سکے، والدین پر خرچ کرنے کی کوشش کرے۔

والدین کا نفقہ اولاد پر کب اور کتنا واجب ہے؟

مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''احناف کے نزدیک والدین کا نفقہ واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: ایک: والدین تنگ دست ہوں خواہ کمانے پر قادر ہوں یا نہ ہوں، دوسرا: اولاد خوشحال ہو (بدائع الصنائع: ۴/۴۴۱)، نیز حنفیہ کے نزدیک والدین کا نفقہ قرابت کے اعتبار سے ہوگا اور چونکہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں قرابت میں برابر ہیں؛ لہٰذا دونوں پر والدین کا نفقہ برابر واجب ہوگا؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکے اور لڑکیوں کو مطلق والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، علامہ اسروشنی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "لأن في نفقة الاٰباء والأولاد يعتبر أصل القرابة ولا يعتبر الإرث، وهما استويا في أصل القرابة" (بدائع الصنائع: ۴/۴۲۸) حنیفہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر باپ کسبِ معاش پر قادر ہونے کے باوجود نہ کمائے اور اولاد سے نفقہ کا مطالبہ کرے تو اولاد پر انہیں نفقہ دینا واجب ہے اور ان کو کسب معاش پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اور باپ کو کسب معاش پر مجبور کرنا خیر خواہی اور حسنِ سلوک کو ترک کرنا

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، حدیث نمبر: ۱۷۸۲۸

اور انہیں تکلیف میں مبتلا کرنا ہے جو اولاد کے لئے کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے: "يفرض على الإبن نفقة الأب إذا كان الأب محتاجًا والابن موسرا سواء كان الأب قادرا على الكسب أو لم يكن" (الفتاوى تاتارخانية :۵/۴۲۶) اولاد پر والدین کا نفقہ اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ وہ اس قدر مال کے مالک ہوں جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، پھر یہ نفقہ اولاد پر ان کی حیثیت کے مطابق واجب ہوتا ہے، مثلاً تین بھائی ہیں جن میں سے دو تنگ دست ولاچار غریب ہیں اور ایک مالک نصاب اور صاحب حیثیت ہے تو ماں باپ کا نفقہ اس مالک نصاب بیٹے پر واجب ہوگا اور اگر تینوں بیٹے صاحب استطاعت ہیں؛ لیکن ان کی آمدنی میں بہت تفاوت ہے تو اب تینوں پر والدین کا نفقہ ان کی حیثیت کے مطابق کسی پر کم اور کسی پر زیادہ نفقہ واجب ہوگا''۔(۱)

فتاوی حقانیہ میں لکھا ہے:

''ماں باپ جب محتاج ہوں اور ان کے پاس زندگی گذارنے کے لئے کوئی ذریعۂ آمدنی نہ ہو تو ان کا نان ونفقہ اولاد پر لازم ہے، اگر اولاد ادا نہ کرتی ہو تو گنہگار ہوگی: "قال العلامة الحصكفي: وتجب على موسر الخ النفقة لأصوله الفقراء" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/۷۳۶، باب النفقة) "وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كان فقراء وإن خالفوه في دينه" (الهداية: ۲/۳۹۹، باب النفقة، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)''(۲)

---

(۱) فتاوی محمودیہ ۱۳/۴۶۳، مستفاد، کفایت المفتی ۵/۲۴۰، فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/۳۸۳

(۲) فتاوی حقانیہ ۵/۳۱، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۱/۱۲۱، ۱۶/۵۰۴

غیر مسلم والدین کے نفقہ کا حکم بھی یہی ہے، بشرطیکہ والدین حربی نہ ہوں:

فأما الاباء الحربيون وإن كانوا مستأمنين في دارنا لايجبر الابن على النفقة عليهم... الخ (۱)

اولاد کے خوش حال ہونے کا معیار

خوش حالی وتنگ دستی خدائی مصلحت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بے پناہ نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے، لہٰذا خوشحال وتنگ دست ہونا بری چیز نہیں؛ بلکہ بد اخلاق اور ناشکرا ہونا بری بات ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق خوشحال ایسے شخص کو کہا جائے گا جو نصاب زکاۃ کا مالک ہو یعنی کسی بھی نوعیت کا اتنا مال ہو جو نصاب زکاۃ کی قیمت کو پہنچ جائے "أن يملك ما يحرم به أخذ الزكاة وهو نصاب" (۲)

امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کاشتکار زمیندار کے حق میں خوشحال ایسے شخص کو سمجھا جائے گا جس کے پاس اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک ماہ کی ضروریات سے زیادہ مال ہو اور جو کاریگر ومزدور ہو کہ روز کماتا ہو اور روز کھاتا ہو تو اس کے حق میں صاحب وسعت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن کا نفقہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بچ رہتا ہو "وعن محمد أنه قدّره بما يفضل عن نفقة نفسه وعياله شهرا" الخ (۳)

اولاد کو چاہئے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خبر گیری کرتی رہے اور وقتاً فوقتاً ان سے ان کی ضروریات کے بارے میں پوچھتی رہے؛ کیوں کہ بسا اوقات انسان کے پاس دولت ہوتی ہے؛ لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہ اس کے استعمال پر قادر نہیں ہوتا؛ لہٰذا ان حالات میں اولاد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حتی المقدور ان کی ضروریات کو پوری کرنے کی کوشش کرے۔

---

(۱) فتح القدیر، باب النفقة: ۴/ ۴۱۵، فتاوی دار العلوم زکریا: ۴/ ۳۸۵

(۲) رد المحتار: ۳/ ۶۳۱، دار الفکر، بیروت

(۳) بدائع الصنائع: ۴/ ۴۴۷، رد المحتار: ۵/ ۳۴۱

تنگ دست اولاد پر والدین کا نفقہ

شریعت میں تنگ دست ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو مالی حقوق سے متعلق عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے قاصر ہو، خواہ وہ مال حقوق اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو، یا کسی انسان سے اگر اولاد ایسی تنگ دست ہو جس کے پاس کوئی مال نہ ہو، البتہ وہ کسب معاش پر قادر ہو تو اس پر اس کے والدین کا نفقہ واجب ہے اور ایسا شخص جس کی کمائی اس کی غذا سے زائد ہو تو ایسے شخص کو بھی والدین کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، البتہ اولاد اتنی تنگ دست ہے کہ جس کے پاس کوئی مال نہ ہو، نیز وہ کسب معاش پر بھی قادر نہ ہو تو اس پر اس کے والدین کا نفقہ واجب نہیں ہوگا:

"الفقر أنواع ثلاثة فقير لا مال له وهو قادر على الكسب.
الثاني: فقير لا مال له وهو عاجز - الخ" (۱)

لڑکوں پر ضرورت مند والدین کا خرچ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کا شکر بجا لانے کا حکم دیا ہے، علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تنگ دست وضرورت مند ماں باپ پر خرچ کرنا سب سے بہترین حسنِ سلوک ہے، اور والدین کا شکر بجالانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے بچپن میں اس کی تربیت کی، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اس پر نرمی وشفقت کا معاملہ کیا، ہر شر اور قبیح چیز سے بچایا، اسی طرح اب اولاد پر ذمہ داری ہے کہ جب والدین عمر کی اس حد کو پہنچ چکے ہیں کہ وہ خود اپنا نفقہ نہیں جوڑ سکتے اور اپنی ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتے تو وہ ان کا نفقہ ادا کرے؛ کیوں کہ والدین کا نفقہ ادا کرنا بھی شکر میں داخل ہے۔ (۲)

اسی طرح اگر اولاد خوشحال تو نہ ہو، البتہ وہ کسب معاش پر قادر ہو اور والدین تنگ

---

(۱) ردالمحتار، باب النفقة: ۳/ ۶۲۲

(۲) بدائع الصنائع: ۳/ ۴۴۹

دست ہوں خواہ باپ کام پر قادر ہو یا نہ ہو، اولاد کو اس کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ کما کر اپنے والدین کا نفقہ دے:

"فلو كان كل من الابن والأب كسوبا يجب أن يكتسب الابن وينفق على الأب"(۱)

البتہ اگر والدین کے پاس کوئی زائد مکان یا گاڑی وغیرہ ہو جو ان کی ضروریات زندگی سے زائد ہو؛ لیکن پھر بھی وہ تنگ دستی کی زندگی گزار رہے ہوں اور والاد سے نفقہ کا مطالبہ کرتے ہوں تو ایسی صورت میں انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اس کو بیچ کر اپنے اوپر خرچ کریں، جب یہ ختم ہو جائے تو اب اولاد پر ان کا نفقہ واجب ہوگا:

"لو كان الأب مسكن أو دابة فالمذهب عندنا أن تفرض النفقة على الابن إلاأن يكون في المسكن فضل نحو أن يكفيه-الخ"(۲)

اگر ایک سے زیادہ اولاد ہوں اور وہ سب صاحب حیثیت ہوں کہ اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت سے زیادہ کی مالک ہوں تو پھر ضرورت مند والدین کا نان ونفقہ ان سب پر تقسیم ہو کر برابر سرابر لازم ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی ایک اپنی طرف سے بخوشی والدین کی ضرورت کا انتظام کر دے تو پھر دوسرے پر لازم نہیں رہتا اور ایسی صورت میں والدین کی کفالت کرنے والی اولاد عظیم اجر وثواب کی مستحق شمار ہوتی ہے۔(۳)

والدہ کا نان ونفقہ والد پر مقدم ہے

اگر کسی کے والدین دونوں ہی غریب ہونے کی وجہ سے نان ونفقہ کے مستحق ہوں اور اولاد کے پاس صرف ایک نان ونفقہ کا انتظام ہو تو ایک قول یہ ہے کہ والدہ کے نان

---

(۱) ردالمحتار: کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/ ۶۲۳

(۲) منحة الخالق على البحر الرائق، باب النفقة: ۴/ ۲۲۸

(۳) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۵۴

ونفقہ کو مقدم رکھا جائے، ماں کا نفقہ واجب ہوگا، کیوں کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی زیادہ حقدار ماں ہوتی ہے، اور وہ کسبِ معاش سے قاصر ہوتی ہے(۱) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اولاد پر ماں باپ دونوں کا نفقہ واجب ہوگا، دونوں کے نفقہ کا خیال رکھے، جتنا نفقہ دینے کی استطاعت ہے اس کو دونوں پر تقسیم کردے، کیوں کہ قرابت میں دونوں برابر ہیں، بالخصوص جب کہ باپ بھی کمانے سے قاصر ہے، اس قول کو اکثر فقہاء نے ترجیح دی ہے:

"الأم أحق، لأنها لا تقدر على الكسب... وقيل: يقسمها بينهما"(۲)

والدین اور اولاد میں کس کا نفقہ مقدم

اگر کسی شخص کی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ والدین کے نفقہ کا بوجھ سنبھال نہیں سکتا، تب بھی اس کو شرعاً حکم یہ ہے کہ قناعت پسندی کے ساتھ سب کے نفقات واجبہ ادا کرے اور والدین کو بھی اپنے عیال کا ایک فرد بنا کر اس کے نفقہ کی ذمہ داری لے، اپنی حیثیت کے مطابق، یہ اس وقت ہے جب کہ اس شخص کا کوئی اور بھائی نہ ہو، اگر کوئی دوسرا بھائی ہو اور وہ خوشحال ہے تو والدین کا نفقہ اس خوشحال پر ہوگا، نہ کہ تنگدست پر:

"هذا إذا كان الأب وحده، وإن كان له زوجة وأولاد صغار، يجبر الابن على أن يدخل الأب في قوته ويجعله كأحد من عياله ولا يجبر على أن يعطي شيئا على حدة"(۳)

حدیث غار پر شبہ

جس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین آدمیوں کا قصہ بیان فرمایا جنہوں نے غار میں پناہ لی پھر چٹان نے منہ کو ڈھنک دیا، تینوں نے اپنے اپنے خاص عمل کو

---

(۱) شرح النووی علی صحیح المسلم، کتاب البر والصلة: ۲/ ۳۱۲

(۲) رد المحتار، باب النفقة: ۳/ ٦١٦

(۳) الفتاوی الهندیة: ۱/ ۵۸۵، مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۳/ ۴٦۹

دربار الٰہی میں پیش کر کے دعا کی، انہیں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین تھے میں باہر جایا کرتا، اور بکریاں چراتا تھا، پھر واپس ہو کر دودھ دوہ کر والدین کے پاس لاتا، وہ پیتے، پھر میں اپنی بیوی بچوں کو پلاتا، ایک دن دیر ہوگئی، جب میں آیا اور دیکھا کہ والدین سورہے ہیں تو ان کو بیدار کرنا مجھے مناسب نہ ہوگا اور پسند نہ آیا اور بچے شور کررہے تھے کہ دودھ ہمیں پلاؤ، ہمیں بھوک لگی ہے، یہی میرا اور والدین کا حال رہا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوگیا، پوری رات میں دودھ لئے بیٹھا رہا، اور والدین سوتے رہے اور بچے شور کرتے رہے کہ ہمیں دو، مگر میں نے ان کو نہیں دیا کہ جب تک میں والدین کو نہ پلاؤں تو کسی نہیں پلاؤں گا۔

شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل کس اعتبار سے درست ہے کہ معصوم چھوٹے بچوں کو بلکتا ہوا چھوڑ دیا جائے، از روئے فقہ تو بیوی بچوں کا حق مقدم ہے، روایت کا سیاق وسباق تردید کرتا ہے، وہ محض تلذذ وتفکہ نہیں؛ بلکہ بھوک سے پریشان تھے، یا سد رمق اور ضرورت سے زیادہ کا مطالبہ کررہے تھے، بعض شارحین نے یہ جواب دینے کی کوشش کی ہے شاید ان کی شریعت میں والدین کا حق بچوں کے حق پر مقدم تھا، پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ دودھ کی مقدار کیا کم تھی کہ والدین کی حاجت پوری کرنے کے بعد ہی پس خوردہ اور بچے ہوئے سے بچوں کی ضرورت پوری کی جاتی، راقم الحروف کے نزدیک وہ جواب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص اہل علم میں سے نہیں تھا، ورنہ مؤاخذہ، اور گرفت ہوتی، وہ نیک بخت بے وقوف تھا، عمل میں غلطی کے باوجود وہ اپنی نیت میں درست تھا، بعض مرتبہ کم علمی ایسا مبالغہ اور غلو کرا دیتی ہے جس کا وہ مکلف نہیں ہے، چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی تقریر بخاری میں فرماتے ہیں:

حقیقت میں شرعی حکم اس وقت یہی تھا کہ اپنی بیوی بچوں کو پلاتا اور والدین کے لئے دودھ اٹھا کے الگ رکھ دیتا اور جب وہ بیدار ہوتے، اس وقت پلا دیتا، لیکن دراصل اس نے اپنے زعم میں یہ ترتیب بنا رکھی تھی کہ پہلے والدین کو پلاؤں گا، پھر اپنے بچوں کو

پلاؤں گا تو اس کی اتنی سختی سے پابندی کرنا جس سے بیوی بچوں کا حق پامال ہو شرعا ایسا کرنا اس کے ذمہ نہ تھا۔

لیکن یہ وہ موقع ہے جہاں ایک شخص شریعت کے بیان کردہ اصول کے خلاف ناواقفیت کی وجہ سے کام کر رہا ہے اور نیت صحیح ہے، ایسی صورت میں بسا اوقات اللہ تبارک وتعالی اس کے عمل کی طرف نگاہ نہیں فرماتے؛ بلکہ اس کی نیت کی طرف نگاہ فرماتے ہیں، اور نیت چونکہ صحیح تھی، اگرچہ طریقہ غلط تھا، اور وہ طریقہ جو غلط اختیار کیا گیا تھا کسی عناد کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ ناواقفیت اور غلبہ حال کی وجہ سے یعنی والدین کی محبت واطاعت اس درجہ ذہن پر غالب ہوگئی تھی، اور وہ مغلوب الحال ہوگیا تو مغلوب الحال کے اوپر تکلیف نہیں ہوتی تو اس وجہ سے یہ پہلو نظر انداز کیا گیا اور اس کی نیت دیکھی گئی۔

معلوم ہوا کہ کوئی شخص ناواقفیت کی بناء پر اور اپنے ذہن سے یہ سمجھ کر کہ شرعی حکم یہ ہے اور اس کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ہو تو ان شاء اللہ امید ہے کہ معافی ہو جائے گی اور اگر شرعی حکم جانتا ہو اور پھر خلاف ورزی کر رہا ہو تو اس کا کوئی حل نہیں۔(۱)

سوتیلی ماں کا نفقہ

اولاد پر سوتیلی ماں کا نفقہ اس صورت میں واجب ہے کہ جب کہ باپ کسی مرض میں مبتلا ہو اور کمانے کی صلاحیت نہ ہو، نیز انہیں خدمت کی ضرورت ہو؛ کیوں کہ اس صورت میں سوتیلی ماں، باپ کی خادمہ کے درجہ میں ہے اور باپ کے خادم کا نفقہ اولاد کے ذمہ واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا بھی نفقہ واجب ہوگا:

"وعليه نفقة زوجة أبيه في رواية، وفي رواية: إن كان الأب مريضا أو به زمانة يحتاج للخدمة" (۲)

لیکن اگر باپ کی متعدد بیویاں ہوں تو اولاد پر تمام کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، بلکہ

---

(۱) انعام الباری: ۶/ ۳۹۰، کتاب البیوع

(۲) رد المحتار، باب النفقة: ۳/ ۶۱۶

اولاد کے ذمہ باپ کی صرف ایک بیوی کا نفقہ واجب ہوگا؛ لہٰذا اولاد ایک بیوی کا نفقہ باپ کے حوالے کردے، اب باپ پر لازم ہوگا کہ وہ اس نفقہ کو اپنی تمام بیویوں پر تقسیم کرے:

"وإن كان للأب زوجتان أو اكثر لم يلزم الابن إلا نفقة واحدة، ويدفعها إلى الأب، وهو يوزعها عليهن"(۱)

مال حرام یا مال مشتبہ میں اطاعت

اگر والدین مال مشتبہ یا مال حرام کمانے یا کھانے کا حکم دیں تو اطاعت درست ہے یا نہیں؟ یہاں مسئلہ کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ مال حرام کمانا یا کھانا، سو اگر یہ یقین سے پتہ چل جائے کہ یہ مال حرام ہے تو اس مال کا کمانا یا کھانا دونوں جائز نہیں ہے، کیونکہ مال حرام حاصل کرنا حرام ہے، اور حرام کام میں والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے:

"السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره مالم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة"(۲)

۲۔ دوسری صورت مال مشتبہ کی ہے، یعنی وہ مال جس کا بعض حصہ حرام ہے اور بعض حلال ہے، لیکن تعیین نہیں ہے کہ کون سا حصہ حرام ہے اور کون سا حلال ہے، تو اس سلسلہ میں فقہاء کے چار قول ہیں:

۱) مال مشتبہ کا حکم بعینہ مال حرام کی طرح ہے، کیونکہ مشتبہ مال حرام تک پہنچا دیتا ہے، اور جو چیز حرام کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے: "ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام"(۳)

---

(۱) الجوهرة النيرة على مختصر القدوري: ۲/۹۲

(۲) صحيح بخاری، كتاب الأحكام، حدیث نمبر: ۷۱۴۴

(۳) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۹۹

۲) اگر تہائی حصہ حرام ہونا طے ہو تو کل حرام ہونے کے حکم میں ہے، کیونکہ تہائی حصہ کو فقہ میں کل کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے: **"لأن الثلث ضابط فی مواضع"**۔

۳) اگر اکثر حرام ہے تو کل حرام ہے، ورنہ کل حلال ہے، کیونکہ فقہ میں اکثر کو کل کا قائم قرار دیا گیا ہے، اور قلیل کو کل کے تابع کر دیا گیا ہے: **"إقامة للأكثر مقام الكل"**۔

۴) نہ مطلقاً حرام ہے اور نہ ہی مطلقاً حلال ہے، خواہ حرام زیادہ ہو یا کم ہو البتہ مکروہ ہے، اور مکروہ میں شدت وضعف حرام کی کثرت وقلت کے اعتبار سے ہوگا، یعنی اگر اکثر حرام ہے تو کراہت میں شدت ہوگی، اگر اکثر حلال ہے تو کراہت میں ضعف ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس دعوت میں شریک ہو تو کھانا تناول کرلے، اور اس سے کھانے وپینے سے متعلق سوالات نہ کرے:

"إذ دخل أحدكم على أخيه المسلم فليأكل من طعامه، ولا يسأل، ويشرب من شربه ولا يسأل" (۱)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک موقع سے رات کو سفر شروع کیا تو ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جس کے پاس اس کا اپنا تالاب تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے تالاب والے! کیا رات کو تیرے تالاب سے درندوں نے پانی پیا ہے؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے تالاب والے! اسے اس بات کی خبر نہ دو یہ مکلف ہے جو ان کے پیٹوں میں ہے وہ ان کے لئے ہے اور باقی ہے وہ ہمارے پینے

---

(۱) شعب الایمان، باب في المطاعم، حدیث نمبر: ۵۴۱۹، دار الكتب العلمية بيروت لبنان، المستدرك، كتاب الاطعمة: ۱۲۶/۴، حدیث نمبر: ۷۱۶۰

اور طہارت کے لئے ہے:

"خرج رسول الله ﷺ في بعض أسفاره فسار ليلا فمروا على رجل جالس عند مقراة له، فقال عمر: يا صاحب المقراة أولغت السباع الليلة في مقراتك فقال له النبي ﷺ: يا صاحب المقراة لا تخبره هذا متكلف لها ما حملت في بطونها ولنا ما بقي شراب وطهور"(۱)

مشتبہات کے ترک میں اطاعت

اگر والدین مشتبہات کے ترک کا حکم کریں تو اطاعت کرنا واجب ہے، اور اگر والدین مشتبہات کے مرتکب ہوتے ہوں اور اولاد مال حلال وطیب استعمال کرتی ہو تو اس صورت میں اگر اولاد والدین کے مال سے اجتناب کرے تو والدین کو اذیت ہوتی ہو تو اس اجتناب سے اجتناب کریں، اور والدین کی اطاعت کریں، اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہیں، کیونکہ مشتبہات کا ترک اولی ہے، اور اطاعت والدین، اور انہیں اذیت پہنچانے سے بچنا واجب ہے، لیکن والدین کے اس عمل پر اولاد کلیۃً راضی نہ رہے، ورنہ مشتبہات کے عادی ہونے سے حرام کا ارتکاب بھی تدریجاً ہوجاتا ہے، اس لئے حسن سلوک کے ساتھ والدین کو مشتبہات سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کرتے رہیں:

"قال المروذي: قلت لأبي عبد الله هل للوالدين طاعة في الشبهة؟ فقال: في مثل الأكل؟ قلت: نعم، قال: ما أحب أن يقيم معهما عليها وما أحب أن يعصيهما يداريهما، ولا ينبغي للرجل أن يقيم على الشبهة مع والديه"(۲)

---

(۱) سنن دار قطنی، کتاب الطہارة:۱/۲۶، حدیث نمبر:۳۵

(۲) الآداب الشرعية والمنح المرعية:۱/۴۷۱، مؤسسة الرسالة، بيروت

مشتبہات کی وضاحت

کسی چیز میں شبہ یا توکسی دلیل کی بنیاد پر ہوگا یا بغیر دلیل کے ہوگا، اگر دلیل کی بنیاد پر ہے تو اس سے بچنا ''تقوی'' کا تقاضہ ہے کہ اس کو چھوڑ دے اور اگر بغیر دلیل کے ہے تو اس کو ''وسوسہ'' کہتے ہیں جس کا خیال نہ لایا جائے، پھر یہ بھی واضح رہے کہ چیزوں میں اصل حلال ہونا ہے جب تک کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل یقین یا ظن غالب سے قائم نہ ہوجائے چنانچہ جہاں کوئی حرام ہونے کی دلیل ملے گی تو اس چیز کو چھوڑنا لازم ہوگا اور جہاں حرام کی دلیل نہ ہو بلکہ حرام ہونے کا شبہ ہے تو اس کو چھوڑنا مستحب ہوگا اور یہی تقوی کا تقاضہ ہے البتہ کھانے پینے کی اشیاء میں گوشت کے بارے میں اصل حرمت ہے، جب تک کہ اس کے حلال ہونے یعنی وہ جائز طریقہ پر ذبح ہوا ہے معلوم نہ ہوجائے، ہاں! گوشت کے علاوہ دوسری کھانے پینے کی اشیاء میں مختلف نوعیتیں ہیں، لہٰذا جب تک کسی چیز کا واضح طور پر حرام ہونا معلوم نہ ہوجائے، اس کو حرام مشہور کر کے عوام الناس کو پریشان کرنا درست نہیں، امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مشتبہات سے مراد وہ امور ہیں جن کی حلت وحرمت متعارض ہوں، اس میں ورع اور تقوی یہ ہے کہ ایسے امور اور چیزوں سے مکمل اجتناب کیا جائے، ان کا ارتکاب بالکل بھی نہ کیا جائے۔(۱)

سود کا کاروبار کرنے پر مجبور کریں

والدین کا حکم ہر اس جگہ مانا جائے، جہاں شریعت کا کوئی واجبی حکم پامال نہ کیا جارہا ہو یا حرام کام کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، اور جہاں ایسا ہو کہ والدین فرائض وواجبات کے ترک کا حکم دیں یا حرام کام کے ارتکاب کا حکم کریں تو ان کی اطاعت ہرگز جائز نہ ہوگی۔

اور سودی کاروبار جس کے بارے میں اللہ نے اعلان جنگ فرمایا ہے، اللہ کے نبی نے لعنت فرمائی ہے، جس گناہ کی سنگینی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ ہے، اگر ایسے

(۱) شرح النووي علی صحیح مسلم: ۱۱/ ۲۷

کام کے بارے میں والدین مجبور کریں تو ان کی اطاعت ہرگز نہ کی جائے، اور نہ والدین ایسے سودی کاروبار پر اولاد کو مجبور کر سکتے ہیں۔

البتہ اگر باپ کا کاروبار سودی ہے، اور وہ اپنی اولاد پر حرام مال خرچ کر رہا ہے تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اگر اولاد خود کمانے کے قابل ہے اور اپنے نفقہ کی وہ خود کفیل بن سکتی ہیں تو باپ کے مال سے علحدہ رہنا اس پر لازم ہے اور باپ کا مال قبول کرنا اولاد کے لئے ناجائز ہوگا:

"قادرا على الاعتماد على نفسه فى تحصيل الكسب الحلال أو أن يأتيه مال من مصدر حلال، فيستغنى به عما عند والده من مال حرام؛لأنه عند حصول المال الحلال تزول.....الخ"(۱)

اور اگر اولاد کم عمر ہے اور کمانے کے لائق نہیں ہے جس کا نفقہ باپ پر لازم ہے یا اولاد معذور ہے یا طالب علم ہے جس کے تعلیمی اخراجات باپ کی آمدنی سے پورے ہوتے ہوں تو ایسی اولاد کے لئے باپ کا حرام مال سے بقدر ضرورت فائدہ اٹھانا اس وقت جائز ہوگا جب کہ وہ خود کمانے کے لائق نہ ہو جائے تاہم دل سے انکار کرتے رہے، توبہ استغفار کے ساتھ ساتھ والد کو اس سے روکتے رہے۔

"فذا كان المال الحرام فى يد الوالد ينفق على نفسه وأبنائه لغير حاجة أو فقر؛ فإن الأب يكون أثما بهذا الانفاق إذا أوجد المال الحلال أو قادرا على تحصليه.....الخ"(۲)

❁❁❁❁❁

---

(۱) أحكام المال الحرام، ص:۲۸۹

(۲) الخانية على الهندية: ۲۸۹/۳، مستفاد از فتاوی عثمانی: ۱۲۷/۳

ازدواجی مسائل میں اطاعت کا ضابطہ(۱)

نکاح میں والدین کی اطاعت

الف) والدین اگر اپنی بالغ اولاد کا نکاح ان کی اجازت ومرضی کے بغیر کرنا چاہیں تو کیا اولاد کو اطاعت کرنا واجب ہے؟

اس مسئلہ میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بالغ اولاد کا نکاح والدین کے لئے ان کی مرضی کے بغیر کرنا درست نہیں ہے، تو اس صورت میں اولاد پر اپنے والدین کی اطاعت کرنا بھی واجب نہیں ہے، مثلاً لڑکا شادی کرنا نہیں چاہتا ہے، یا فلاں سے شادی نہیں کرنا چاہتا ہے تو والدین کو جبر کرنے کی اجازت نہیں ہے:

"وأما ولاية الحتم والإيجاب والاستبداد، فشرط ثبوتها على أصل أصحابنا كون المولى عليه ... فلا تثبت هذه الولاية على البالغ العاقل"(۲)

۱) نکاح کے سنن وآداب، زوجین کے حقوق، سسرالی زندگی کے احکام پر ہماری کتاب ''مسنون نکاح'' سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

ب) والدین اگر نابالغ اولاد کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کرنا چاہیں تو اس مسئلہ میں بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین کے لئے نابالغ اولاد کی رضامندی کے بغیر نکاح

---

(۱) نکاح کے سنن وآداب، زوجین کے حقوق، سسرالی زندگی کے احکام پر ہماری کتاب ''مسنون نکاح'' سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

(۲) بدائع الصنائع: ۳/ ۳۵۷، دار الکتب العلمیة

کرنا جائز ہے ، اوراولاد پراس مسئلہ میں والدین کی اطاعت واجب ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر ﷛ نے اپنے نابالغ فرزند کا نکاح کیا اور معاملہ حضرت زید بن ثابت ﷛ قاضئ وقت کے پاس آیا تو آپ ص نے اس نکاح کو درست قرار دیا:

"وللرجل أن يزوج ابنه الصغير على النظر له، وليس ذلك لغير الأب من الأولياء" (۱)

"إن ابن عمر زوّج ابناله ابنة أخيه وابنه صغير يومئذ" (۲)

والدین کو حکم ہے کہ شادی کرتے وقت اولاد کے جذبات کا خیال رکھے اور اولاد کو چاہئے کہ والدین تک اپنی بات پہنچائے، لیکن اپنی خواہش اور رائے پر والدین کی صوابدید کو ترجیح دے الخ۔ (۳)

باکرہ لڑکی کا نکاح اور والدین کی اطاعت

ج) لڑکی اگر باکرہ (شوہر نادیدہ) اور صغیرہ ہو تو باتفاق فقہاء کرام ﷬ والدین کو ولایت اجبار حاصل ہے کہ والدین کو اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کرنا جائز ہے اور لڑکی کو والدین کی اطاعت کرنا واجب ہے:

"فأما صغار الأبكار فللاباء إجبارهن على النكاح، فيزوج الأب ابنته البكر الصغيرة من غير أن يراعي فيه اختيارها ويكون العقد لازما لها في صغرها وبعد كبرها" (۴)

آنحضرت سے حضرت عائشہ ﷝ کا نکاح صدیق اکبر ﷛ نے حضرت عائشہ ﷝

---

(۱) الکافی لابن عبدالبر: ۵۲۹/۲

(۲) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب النكاح ، حدیث نمبر: ۱۳۸۱۷، نیز دیکھئے: آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵۱/۶ - ۵۵

(۳) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۵۲/۶، فتاوی محمودیہ: ۵۳۰/۱۱، ۵۲۵

(۴) الحاوی الکبیر للماوردی: ۵۲/۹

کی اجازت کے بغیر کیا تھا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا اس وقت چھ سال کی تھیں جس میں اجازت دینے کی صلاحیت بھی عموما انسان میں نہیں رہتی ہے۔(۱)

د) لڑکی اگر باکرہ بالغہ ہوتو اس صورت میں ائمہ کرام کے دوقول ہیں:

۱) ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہ ہے کہ والدین بالغہ کی رضامندی کے بغیر نکاح کر سکتے ہیں، اورلڑکی کو اطاعت کرنا واجب ہوگا "وأما البكر الكبيرة فللأب أن يزوجها جبرًا كالصغيرة"(۲)

۲) دوسرا قول ائمہ احناف کا اور ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ بالغہ کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح درست نہیں، اور بالغہ پر اس مسئلہ میں والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے:"وعلى هذا يبتني أن الأب والجد لا يملكان إنكاح البكر البالغة بغير رضاها عندنا"(۳)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثیبہ عورت اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہوتی ہے اس کے ولی کے مقابلہ میں اور باکرہ سے اس کی ذات کے متعلق اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت خاموشی ہے:

"الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها"(۴)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثیبہ اور باکرہ کی تقسیم فرمادی کہ ثیبہ اپنی ذات کی حق دار ہے کہ ولی اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا، تو اس کا مطلب

---

(۱) صحيح البخاري كتاب النكاح، حدیث نمبر: ۵۱۳۳

(۲) الحاوی للحطاب للماوردی: ۵۲/۹

(۳) بدائع الصنائع: ۳۵۸/۳، دار الكتب العلمية، الانصاف للماوردی: ۵۵/۸

(۴) مسلم: باب استئذان الثيب فى النكاح بالنطق، والبكر بالسكوت، حدیث نمبر: ۱۴۲۱

ظاہر ہے کہ باکرہ اپنی ذات کی حقدار نہیں ہے، خواہ وہ بالغہ ہی کیوں نہ ہو، ورنہ تقسیم کا کوئی مطلب نہ رہے گا۔

احناف کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثیبہ کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں کیا جائے گا، اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! باکرہ سے کیسے اجازت لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی خاموشی اجازت ہے:

"لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن، قالوا: يارسول الله! وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت"(۱)

اسی طرح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"الأيم أحق بنفسها، من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها"(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک باکرہ لڑکی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے والد کی یہ شکایت لائی کہ اس کے والد نے اس کی مرضی کے بغیر نکاح کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکی کو (فسخ نکاح کا) اختیار دیا:

"إن جارية بكرا أتت النبي ﷺ فذكرت أن أباها زوجها وهي كارهة، فخيرها النبي ﷺ "(۳)

ان تمام روایات سے باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار نہ ہونا ثابت ہو رہا ہے، اسی طرح عقلی دلیل یہ ہے کہ جب باکرہ بالغہ کو اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل ہے، کسی اور شخص کو اس کے مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے تو بدرجۂ اولی اس کو اپنی ذات

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۳۶

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۲۱

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۹۶

میں تصرف کا حق حاصل ہوگا، کسی اور کو اس کی مرضی کے بغیر اس کی ذات میں تصرف کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ مال کے مقابلہ میں ذات کی زیادہ اہمیت ہے، چنانچہ آدمی ذات کے لئے مال قربان کر دیتا ہے:

"إذا بلغت البكر عن عقل ورشد تصرفت في مالها دون إذن أبيها، وليس لأحد التصرف فيه دون إذنها، فمن الأولى تصرفها في بعضها، فلا يكرهها أحد مع رشدها" (۱)

نکاح زندگی کا اہم معاملہ ہے اس میں اگر اس کی مرضی ملحوظ نہ رکھی جائے جس کو زندگی گذارنا ہے تو زندگی کا سکون چھن جائے گا، اس لئے مسئلہ میں محض والدین کی رضامندی کافی نہیں ہوگی، البتہ اولاد کو چاہئے کہ اپنی مرضی کو کسی حد تک والدین کی مرضی کے مطابق کرنے کی کوشش کرے، چونکہ والدین اولاد کے حق میں خیر خواہ ہی ہوتے ہیں۔ (۲)

ثیبہ کا نکاح اور والدین کی اطاعت

ھ) ثیبہ (شوہر دیدہ) اگر بالغہ ہو تو بالاتفاق اس کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا درست نہیں ہے، اور اس صورت میں والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے: "لو استأذن الثيب فلابد من رضاها بالقبول إذا كانت بالغة" (۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثیبہ کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہیں کیا جائے گا، اور باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! باکرہ سے کیسے اجازت لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی خاموشی اجازت ہے:

---

(۱) البحر الرائق لابن نجیم: ۳/ ۱۹۳

(۲) نیز دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/ ۵۶

(۳) بناية شرح الهداية: ۵/ ۸۵، بلغه السالك للصاوی: ۲/ ۲۲۷، الحاوی للماوردی: ۹/ ۶۶، المغنی لابن قدامة: ۹/ ۴۰۶

"لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن، قالوا: يارسول الله! وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت"(۱)

و) ثیبہ اگر صغیرہ ہے تو اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں: احناف، مالکیہ، اور ایک روایت حنابلہ کی یہ ہے کہ والدین کو ولایت اجبار حاصل ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر نکاح کریں اور ثیبہ پر اپنے والدین کی اطاعت واجب ہے: "وأما الثيب الصغيرة ... وقال أبو حنيفة: يجوز أن يزوجها جميع أوليائها قبل البلوغ، فإن زوجها أبوها فلا خيار لها إذا بلغت"(۲) شوافع اور حنابلہ کی ایک رائے کے مطابق ثیبہ بالغہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے، اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا درست نہیں ہے، تو ثیبہ کا والدین کی اطاعت کرنا واجب نہیں ہے: "وأما الثيب الصغيرة فليس لأحد من أوليائها أبا كان أو غيره أن يزوجها إلا بعد بلوغها وإذنها"(۳) شوافع نے ثیبہ صغیرہ کو ثیبہ کبیرہ پر قیاس کیا ہے، جو حکم اس کا ہے وہی حکم ثیبہ صغیرہ کا ہے، اور ثیبہ کے متعلق جو احادیث اوپر مذکور ہیں انہیں عام رکھا ہے کہ وہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں کو شامل ہیں:

"لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن، قالوا: يارسول الله! وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت"(۴)

اور احناف نے ثیبہ صغیرہ کو باکرہ صغیرہ کے حکم میں رکھا ہے کہ صغر (کم سنی) کی وجہ سے جس طرح باکرہ صغیرہ پر والدین کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح ثیبہ صغیرہ پر

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۳۶

(۲) الحاوی للماوردی: ۹/۶۶

(۳) الحاوی للماوردی: ۹/۶۶

(۴) صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۳۶

بھی صغر کی وجہ سے والدین کی اطاعت ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات اس باب میں بھی سراپا اعتدال کا نمونہ ہیں، بالغ لڑکا لڑکی گرچہ ازخود برابر خاندان میں نکاح کر سکتے ہیں، مگر ساری دنیا گواہ ہے، اعداد وشمار بتلاتے ہیں کہ لومیرج (اپنی پسند کے نکاح) ۹۹ فیصد ناکام ہیں، اولاد ناپختہ مزاج، کم تجربہ کار، فلم کی دنیا میں سوچتی ہے، فیلڈ اور زمینی حقائق کا اندازہ نہیں ہوتا، اپنی مرضی یا عشق سے شادی کرنے کے بعد دونوں طرف کے خاندانوں کا تعاون نہیں ہوتا، دادیہال، نانیہال کے خاندانوں میں بدمزگی و دوریاں رہتی ہیں، نانی دادی کی نگرانی نصیب نہیں ہوتی، خاندان کی ساری کڑیاں جڑتی نہیں ہیں، خود دونوں پر وقتی جنون سوار رہتا ہے سماج و خاندان کا سہارا، بے لگامی، ظلم وستم سے دونوں کو روکنے والا کوئی دباؤ نہیں رہتا، دونوں طرف کی محبتوں اور اندیشوں سے آزاد ہوکر زندگی گزارتے ہیں۔

اسی طرح ماں باپ کو بھی چاہئے کہ زندگی اتار چڑھاؤ، انسانی مزاج کا فرق، دین اسلام کی ہدایات سے انہیں آگاہ کریں، ان کی رائے کے خلاف ہرگز نکاح نہ کریں، ورنہ لڑکیوں پر طلاق وخلع کا داغ لگ جاتا ہے، پہلا نکاح ہی رسومات نے مشکل کردیا دوسرا نکاح مزید مشکل، اگر ان کی پسند اسلامی اصول کے مطابق ہے تو محض اس لئے نہ ٹھکرادیا جائے تو تم نے کیوں انتخاب کیا، سماج میں ہمارا نام بدنام ہوگا وغیرہ انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے۔

والدین نکاح سے منع کریں تو؟

اس سلسلہ میں فقہ حنفی، مالکی، اور شافعی میں کوئی صریح جزیہ نہیں مل سکا، البتہ فقہ حنبلی کی کتاب ''شرح منتہی الارادات'' میں لکھا ہے کہ والدین اگر نکاح سے منع کریں، جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو والدین کی اطاعت اس مسئلہ میں کرنا واجب نہیں ہے، اور والدین کو منع کرنے کا حق بھی نہیں ہے، بلکہ

والدین کو چاہئے کہ اولاد کی پاکدامنی میں تعاون کریں، البتہ اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہوتو والدین کی اطاعت کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس ایک باندی ہے جس سے میری ضرورتِ بشریہ پوری ہوتی ہے، اور میری والدہ اسے فروخت کرنے کا حکم دے رہی ہے، آپ رحمہ اللہ نے دریافت کیا کہ: کیا فروخت کردینے سے تمہیں گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہے؟ اس شخص نے کہا: ہاں! پھر تمہیں اپنے والدہ کی بات ماننے کی اجازت نہیں ہے: "إن خفت علی نفسك فلیس لها ذلك" (۱) چونکہ گناہ سے بچنے کا حکم حکمِ الٰہی ہے، اور نکاح نہ کرنے میں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے جس کا سبب والدین کا حکم بن رہا ہے، تو یہ صورت "لا طاعة لمخلوق في معصة الخالق" کے تحت میں داخل ہوکر اطاعت واجب نہیں ہوگی۔

اگر والدین شادی پر تعلیم کو ترجیح دیں

خلاصہ اگر والدین نکاح سے منع کریں، جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتو والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے، بلکہ والدین کو چاہئے کہ نکاح کرکے اولاد کو گناہ سے بچائے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ وَأَدَبَهُ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْمًا، فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى أَبِيهِ" (۲)

''جب اولاد بالغ ہوجائے تو والدین ان کے نکاح سے آنکھیں بند کئے رکھیں (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) اولاد اگر کسی غلطی (زنا) کی مرتکب ہوتو والدین بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے''

---

(۱) الآداب الشرعية لابن مفلح: ۱/ ۴۴۸، عالم الكتب

(۲) شعب الایمان، حقوق الأولاد والأهلین، حدیث نمبر: ۸۲۹۹

اگر والدین منع کریں تو بالغ لڑکا لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں، بشرطیکہ دونوں ہم سر اور کفو میں انتخاب کر کے نکاح کریں۔

اگر والدین نکاح پر اصرار کریں؟

لڑکا ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور والدین نکاح پر اصرار کر رہے ہیں تو یہ دیکھا جائے کہ اگر لڑکے کو معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور نکاح کے بعد تحصیل علم میں رکاوٹ کا ظن غالب ہے اور والدین کو ایسی کوئی سخت ضرورت درپیش نہیں ہے تو نکاح کو مؤخر کر سکتا ہے، اور اگر والدین فقط نکاح پر اصرار کر رہے ہیں، رخصتی پر نہیں تو نکاح کر لے، رخصتی کو مؤخر کر لے۔(۱)

نکاح میں باپ کی اطاعت یا ماں کی؟

زوجین میں جدائیگی ہوگئی دونوں الگ رہتے ہیں اور باپ لڑکے کا نکاح کرانا چاہتے ہیں جبکہ ماں اس رشتہ سے راضی نہ ہو تو لڑکے کو چاہئے کہ باپ کی اطاعت کرے، نکاح کر لے؛ البتہ والدہ کے ساتھ حسن سلوک کو باقی رکھے۔(۲)

ساس کی خدمت بیوی کی اخلاقی ذمہ داری

یہ صحیح ہے کہ شرعاً عورت کے ذمہ ساس کی خدمت واجب نہیں ہے؛ لیکن اخلاقی طور پر عورت کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اس کے شوہر کی ماں ہے تو جس طرح اپنی ماں کی راحت کا خیال رکھتی ہے، اسی طرح شوہر کی ماں کی خدمت اور ان کو راحت پہنچانا اس کی اخلاقی ذمہ داری میں شامل ہے:

"وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به، ظاهر أنه عند الأمر به منه يكون واجبا عليها كأمر السلطان الرعية به"(۳)

---

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۱/ ۵۲۲

(۲) فتاوی محمودیہ: ۱۱/ ۵۲۴

(۳) ردالمحتار: ۳/ ۲۰۸، دار الفکر، بیروت، دیکھئے: فتاوی محمودیہ: ڈابھیل، کتاب النوازل: ۵/ ۱۴۳

نکاح کے بعد والدین کی خدمت

بیوی شوہر کو چاہئے کہ دونوں کے والدین کی قدر کریں، ضروریات کا خیال رکھیں، بیماریوں اور ناگواریوں میں ساتھ دیں، کمزوری کی وجہ سے ہمیں بھی روزی ملے گی، بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ انہیں بھی خدمت گذار اولاد دے گا، شکر کرنا چاہئے کہ ہم اس حالت میں ہیں کہ دوسروں کی خدمت کر سکتے ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں اگر قادر مطلق ہمیں لاچار مجبور بنادے، زندگی کے آنے والے دن کیسے رہیں گے، اس کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے، دولت کسی سے چمٹی نہیں رہتی، صحت ڈھل ہی جاتی ہے، خدا کی طرف کب بلاوا آجائے، چند روزہ زندگی میں کچھ بھلے کام کرلیں، بڑھاپے میں جسمانی، عقلی صلاحیتیں کمزور ہوجاتی ہیں "من نعمره ننكسه في الخلق" جلد غصہ، چھوٹی باتوں پر گرمی، ایک بات کو بار بار دہرانا، امراض اعذا بڑھ جاتے ہیں، خدام کو بہت صبر وتحمل سے کام لینا چاہئے۔

لڑکیاں عموماً شوہر کے گھر پر رہتی ہیں، جیسے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بھائیوں کی بیویاں ان کے والدین کی جی جان سے خدمت کریں (گرچہ قانوناً ضروری نہیں) ایسے ہی شوہر کے بہنوں کی تمنا بھی ہے، ایک ماں اور باپ کئی لڑکوں لڑکیوں کی عمر بھر ہر طرح خدمت کر لیتے ہیں؛ مگر یہ سب مل کر بھی بڑھاپے میں سنبھال نہیں پاتے، اتنا ضرور ہے کہ اگر بیوی بھی راضی ہو، مالک نے صلاحیت وصحت سے نوازا ہو، والدین بھی ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو اس انمول دولت کو نہیں کھودینا چاہئے، ورنہ سب بھائی بہن مل کر مشورہ کریں، بھائیوں کو اختیار، قوت، میراث کا حصہ بھی اللہ تعالیٰ نے بہنوں سے زیادہ عطا فرمایا ہے، بیویاں اگر راضی نہ ہو تب بھی انہیں باری باری تو خدمت کی ذمہ داری ضرور لینا چاہئے، بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ بیٹا ہونے کا واسطہ دے کر میراث کا شعری حصہ پورا وصول کرلیا جائے، مگر ان کی خدمت میں حصہ لیتے وقت لاپرواہی اور بے حسی کا مظاہرہ ہو، صحت مند، صاحب مال والدین کی خدمت آسان ہے، مسئلہ تو

بوڑھے کمزور والدین کا ہے، قرآن کریم بھی اس نوعیت کو بالخصوص ذکر کرتا ہے: إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ بدلہ اور صاحب مولائے کریم سے آخرت میں لینا ہے، یقین ہے کہ وہ نیکی کو ضائع نہیں کرتے، "إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ" تو کسی کی ناقدری کا کیا شکوہ، خاندان کے بڑوں کی قربانیاں احسانات اور خوبیوں کو دیکھا جائے، واقعی ان کا ساتھ رہنا چھوٹے بچوں کے لئے تربیت اور مکمل گھر کا نمونہ ہوتا ہے، مصیبتوں میں ان کی دعائیں اور تجربات ڈھارس بندھتے ہیں، ان کا سایہ اٹھنے کے بعد ان کی نعمت کا ضرور احساس ہوگا، غصہ اور نفرت کا جواب غصہ اور نفرت سے اگر دیا جائے تو معاملہ اور بڑھ جاتا ہے، سلجھنے کے بجائے الجھے سلگنے لگتے ہیں، لائن سے رکھی ماچس کی تیلیوں میں جب آگ لگ جائے تو کسی ایک تیلی کا پیچھے ہو جانا مزید نقصان کو روکتا ہے، بہوؤں کو چاہئے کہ ہر رات سب بھلا کر نیا دن شروع کریں، پچھلی بدکلامیاں، بدتمیزیاں بار بار یاد کر کے دکھی ہونے کا کیا فائدہ، فریقوں کے جھگڑے میں ایک کا اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنا آدھے جھگڑے کو ختم کر دیتا ہے، شوہر ماں باپ کو بے تکلف روک ٹوک نہیں کر سکتا نہ ہی بر سر عام بیوی کی حمایت کر سکتا ہے، مگر تنہائیوں میں احسانات، اضافی خدمات کو سراہتا ہے، موجودہ زمانے میں بیویوں کا ساس سسر کے ساتھ رہنا ہی بڑے جگر کی بات ہے، ہاں میں ہاں نہ ملائی جائے، ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانا الگ بات ہے، ان کی بے جا مداخلت، بیوی شوہر کے ہر مسئلہ میں بے حد اصرار کرنا بہت غلط بات ہے۔

ساس سسر کو بھی چاہئے کہ سوائے خدا کے کسی سے امید نہ ہو، توقع کے پورا نہ ہونے پر شکایتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ہر آنے والے دلہن پر ایک ساتھ شوہر، اولاد، گھریلو کام کاج، مہمان نوازی، ساس سسر کبھی دیور، نند کا بوجھ پڑ جاتا ہے، وہ بھی ناتجربہ کار پہلے زمانے کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے، محبتوں، لاڈلوں کی گود اسکول مدرسہ کی زندگی سے آئی ہے، نصیحت، تنہائیوں میں ہوتی ہے، خوبیوں کو سراہنا چاہئے،

اکرام اور شفقت سے گھر اور زندگی، شوہر اور بچوں کو سنبھالنے کے گُر بتلانے چاہئے، نہ دو بیٹوں کی صلاحیت وصحت عقل وقسمت ایک جیسی ہوتی ہے، نہ دو بہووں کی، جو جتنا کر سکتا ہے اتنی ذمہ داری سونپی جائے، گھریلو کام کاج اور اپنے مخصوص مزاج سے کرنے کو اتنی اہمیت نہ دیں کہ بیٹے کی زندگی اجیرن ہوجائے، اس کی تنہائیاں بے سکون بن جائیں، سب بیٹوں کا ایک چھت کے نیچے ایک چولہے سے گذر بسر ضروری نہیں، ضرورت پڑنے پر خادمہ رکھ لینا معیوب نہیں، بہو پر اعتماد کریں، انہیں ذمہ دار سمجھیں، بڑھاپے میں، زندگی کے آخری دنوں میں اپنی آخرت، اللہ سے ملاقات کی تیاری وغیرہ میں اپنے ذہن ودماغ، جلوت ومجلس کی توانائیاں صرف کریں، ایک مزاج کی دوسگی بہنیں، یا دو حقیقی بھائی نہیں ہوا کرتے، ہم کسی کو اپنے سو فیصد مزاج سے یکساں بنانے میں نئے بکھیڑے نہ پالیں، وہ بھی کسی کی بیٹی ہے، سب کچھ قربان کرکے صرف اللہ کے نام پر ہمارے پاس آئی ہے، غلطی ہونے پر فورا معاف کرکے رشتہ جوڑ لیں، دل ہلکا کرلیں، نفس وشیطان گھروں کو توڑنے میں مدد کرتے ہیں، بہو کے خاندان اور اس کی عزت کو اپنی عزت سمجھیں، الگ گروپ نہ شمار کریں، ایک رشتے کی تلخیاں دوسرے رشتہ پر ظاہر ہونے نہ دیں، چولہا الگ کرنا ہو تو محبت پیار سے علحدہ کریں، صمدن صمدی سے تعلقات خوشگوار ہونے چاہئے، ہرگز ماں باپ کا طعنہ نہ دیا جائے، کم از کم نسلوں میں دلی دوریاں چھوڑ کر نہ مریں، ضرور آپ کا حق سب سے زیادہ ہے مگر خدا نہ بنئے۔

باپ کا بیٹی یا بہو سے جسمانی خدمت لینا

یہ معاملہ بہت نازک ہے، اگر لڑکی کے پیر دباتے وقت باپ کے دل میں "نعوذ باللہ" شہوت پیدا ہوجائے تو لڑکی کی ماں اس کے باپ پر حرام ہوجائے گی، اس لئے اس میں احتیاط لازم ہے:

"قال أصحابنا: وتثبت الحرمة بالتقبيل والمس والنظر إلى الفرج بشهوة... ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم

یکن بینھما ثوب"(۱)

یہی مسئلہ جوان بہو سے خدمت لینے کا ہے، دوران خدمت شہوت پیدا ہو جائے تو بہو اپنے شوہر پر حرام ہو جائے گی، اس لئے بہو سے جسمانی خدمت ہرگز نہ لی جائے کہ اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، اور فی زمانہ ایسے بہت سے واقعات سننے کو ملتے ہیں؛ لہٰذا احتراز بہتر ہے۔(۲)

اس مسئلہ کی شرائط وتفصیلات بڑی کتابوں میں لکھے گئے ہیں علماء کرام کو صحیح صورتحال بتلا کر مسئلہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔

والدین کا نکاح کرانا

اگر والد یا والدہ میں سے کوئی اپنی اولاد کو اپنے نکاح کا حکم کریں مثلاً والد نے والدہ کے انتقال کے بعد نکاح ثانی کا حکم دیا تو کیا اولاد پر اطاعت واجب ہے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں:

۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم ماننا واجب ہے، یہی ایک قول احناف کا بھی ہے:

"ویلزم الرجل اعفاف أبیه إذا احتاج إلی النکاح"(۳)

۲) دوسرا قول احناف کے نزدیک یہ ہے کہ والدین کی اطاعت اس مسئلہ میں واجب نہیں ہے۔"قال أبو حنیفة: لا یلزم الرجل إعفاف أبیه، سواء وجبت نفقته أو لم تجب"(۴) ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح نفقہ میں داخل ہے، جس طرح بوقت ضرورت والدین کے نفقہ کا انتظام کرنا ضروری ہے اسی طرح نکاح کرنا بھی ضروری ہے، نفقہ نہ ہونے میں جس طرح ضرر کا امکان

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیة: ۴/ ۵۳

(۲) مستفاد کتاب النوازل: ۱۵/ ۱۳۶-۱۳۸

(۳) المغنی لابن قدامة: ۱۱/ ۳۷۹، وللرافعی عبد الکریم بن عبد العزیز: ۱۰/ ۷۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، مواهب الجلیل للحطاب: ۵/ ۵۸۶

(۴) المغنی لابن قدامة: ۸/ ۲۱۶

ہے اسی طرح نکاح نہ ہونے سے ضرر کا امکان ہے۔

"إن الزواج من تمام الكفاية، فهو من النفقة، أشبه القوة، وقد يلحق الضرر بفقد الزواج" (۱)

موجودہ حالات میں بعض مرتبہ ادھیڑ عمر میں بیوی کا انتقال ہوجاتا ہے جبکہ شوہر ابھی جواں سال ہے یا نکاح کا تقاضا رکھتا ہے، یا خدمت کا محتاج ہے تو اولاد خواہ کتنی ہی فرمانبردار ہو بعض امور کی انجام دہی ان سے بھی مشکل ہوتی ہے، اس لئے اولاد کو چاہئے کہ مناسب رشتہ کا انتظام کردیں یا کم ازکم اگر والد خود سے نکاح کرلیں تو اسے عیب نہ سمجھے اور والد کی بیوی کے ساتھ سوتیلے پن کے اظہار سے اجتناب کرے، نہ ہی سوتیلی ماں کو میراث سے محروم کرنے کی کوشش کرے ورنہ بعض مرتبہ معاشرہ کے عیب کی وجہ سے آدمی نکاح پر زنا کو ترجیح دینے لگتا ہے، جس کا وبال پورے معاشرہ پر اور خود اولاد کی شرمندگی کا سبب بنے گا۔

موجودہ زمانے کی بے حیائی؛ بلکہ ہوسناکی کی وجہ سے بہت سے ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں جس میں بوڑھے باپ نے بہو یا دیگر افراد خانہ سے ایسی حرکت کردی جس سے بیوی خود شوہر پر حرام ہوجاتی ہے، ساری سماجی نزاکتوں کو سامنے رکھ کر کسی ماہر عالم دین سے مفصل مشاروت کے بعد یہ قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔

فقہاء نے جس طرح ضرورت مند باپ کے نکاح کے مسئلہ پر بحث کی ہے، ٹھیک اسی طرح اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ اگر کسی کی ماں مطلقہ یا بیوہ ہوجائے اور انہیں نکاح کی ضرورت ہو؛ لیکن وہ کسی سبب سے اس کا اظہار اپنی اولاد یا خاندان کے کسی فرد سے نہ کرے تو خاندان کے افراد اور اولاد کو چاہئے کہ وہ ان کی عفت وعصمت کی حفاظت کی خاطر ان کا نکاح ان سے پوچھ کر کردے اور اگر وہ خود اظہار کردے کہ انہیں نکاح کی ضرورت ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، "أما الأم فإن إعفافها إنما هو تزويجها

(۱) حاشیه علی الخرشی للعدوی: ۵/ ۲۲۷، دارلکتب العلمیة، بیروت

إذا طلبت ذلك"(۱) البتہ ماں کے نکاح کے بعد اولاد پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہے؛ بلکہ اس کے شوہر پر واجب ہے کہ "من إیجاب نفقة الأم علی الولد إذلم تکن متزوجة؛ لأنها علی الزوج"(۲)

والد کا کرایا ہوا نکاح فسخ ہوسکتا ہے؟

جس لڑکی کا نکاح قبل البلوغ والد نے کرایا ہے، اس کو بعد البلوغ لڑکی فسخ نہیں کراسکتی بشرطیکہ باپ کا آوارہ فاسق اور لڑکی پر نامہربان ہونا پہلے سے مشاہد نہ ہو:

"و(لزم النکاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزیادة مهره (أو) زوجها (بغیر کفوء إن کان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا) ... (لم یعرف منهما سوء الاختیار) مجانة وفسقا (وإن عرف لا) یصح النکاح اتفاقا"(۳)

البتہ اگر باپ فاسق وآوارہ اور لڑکی سے بے خبر ہو تو اس نکاح کو بعد بلوغ فسخ کرانے کا اختیار رہتا ہے، نیز اگر باپ اور لڑکی دونوں نیک صالح آدمی ہیں اور جس کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے اس نے اپنے فسق کو چھپایا اور ان کو دھوکہ دے کر اپنے کو نیک صالح ظاہر کیا ہے، پھر بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ شخص فاسق وفاجر ہے تو اب لڑکی اور اس کے والد دونوں کو اختیار ہے کہ بذریعہ حاکم مسلم نکاح فسخ کرادیں۔

"استشکل ذلك فتح القدیر بما في النوازل: لو زوج بنته الصغیرة ممن ینکر أنه یشرب المسکر فإذا هو مد من له، وقالت: لا أرضی بالنکاح أي بعدما کبرت إن لم یکن یعرفه الأب بشربه وکان غلبة أهل بیته صالحین فالنکاح باطل لأنه إنما زوج علی ظن أنه کفوا"(۴)

---

(۱) المغنی لابن قدامه، کتاب النفقات: ۸/ ۲۱۶

(۲) البحر الرائق: ۴/ ۲۲۴، باب النفقة (۳) الدر المختار مع الرد، باب الولی

(۴) شامی، باب الولی: ۳/ ۶۶، دار الفکر، بیروت، امداد المفتیین: ۲/ ۴۳۵

اور مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر باپ نے بے خبری میں اپنی لڑکی کا نکاح بدچلن اور آوارہ شخص سے کردیا، اورلڑکی اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو وہ بذریعہ عدالت اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے''۔(۱)

بالغہ کا نکاح باپ کی مرضی کے بغیر

عاقلہ اور بالغہ عورت (باپ کی مرضی کے خلاف) اپنے کفو میں مہر مثل سے زیادہ مہر پر عقد کرلے تو یہ عقد جائز ہوجائے گا، مگر یہ عورت اگر بلاوجہ شرعی باپ کے خلاف مرضی نکاح کرتی ہے تو گنہگار ہوگی اول تو باپ کو بلاوجہ ناراض کرنا گناہ ہے، اور پھر بلا اجازت ولی نکاح کرنا بھی بے حیائی اور گناہ سے خالی نہیں، اگرچہ نکاح درست وصحیح ہوجاتا ہے:

"كما يظهر من روايات الحديث المانعة عن الزوج بلا إذن ولي وصرح بالكراهة في ردالمحتار"(۲)

بیٹے کی بیوی کو شہوت سے چھونا

باپ نے اپنے بیٹے کی منکوحہ کو شہوت سے چھودیا یا بوسہ دیا تو یہ لڑکی اپنے خاوند پر (ہمیشہ کے لئے) حرام ہوجائے گی، البتہ یہ لڑکی دوسری جگہ اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک کہ خاوند چھوڑ نہ دے، یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے اور اگر وہ چھوڑنے پر راضی نہ ہو تو لڑکی کو اختیار ہے کہ عدالت موجودہ کے ذریعہ سے یا پنچایت وغیرہ کے ذریعہ سے اس کو چھوڑنے پر مجبور کرے، اور اگر خاوند نے لڑکی کے بیان کی تصدیق نہیں کی تو پھر حاکم اسے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

"وفي أمالي أبي يوسف امرأة قبلت ابن زوجها وقالت:

---

(۱) امداد المفتیین: ۲/۴۲۰

(۲) خلاصة الفتاوى: ۲/۱۰

كانت عن شهوة إن كذبها بالزوج لايفرق بينهما ولو صدقها أنه عن شهوة وقعت الفرقة الخ "(۱)

"وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج بأخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، ... وعبارة الحاوي إلا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة، ... والمتاركة لا تحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها"(۲)

بیوی اور والدین میں کس کا حق مقدم ہے؟

شریعت میں والدین کا حق اولاد پر بہت اہم ہے ،لیکن میاں بیوی کا ایک دوسرے پر شرعاً حق ہے،اگر والدین اور شوہر یا والدین اور بیوی کے حق میں تعارض ہوجائے تو کس کا حق مقدم رکھا جائے؟

الف) کسی عورت کو اس کے والدین ایک حکم کریں اور اس کا شوہر اس کے خلاف کا حکم کرے تو یہ عورت کس کا حکم مانے؟ اس صورت میں بیوی کو چاہئے کہ شوہر کے حکم کو مقدم رکھے اور اس کی اطاعت کرے ،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عورت پر کس کا حق سب سے زیادہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :اس کے شوہر کا حق۔ "أي الناس أعظم حقاً على المرأة؟ قال:زوجها" اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے حکم کو مقدم رکھے، جب شوہر کے حق کو اس قدر اہم شمار کیا گیا کہ اگر کسی کا سجدہ درست ہوتا تو شوہر کا ہوتا تو اس کے حکم پر کسی کے حکم کو ترجیح نہ دے، بشرطیکہ وہ حکم شریعت کے حکم کے خلاف نہ ہو۔

---

(۱) خلاصة الفتاوى:۲/۱۰

(۲) شامی، باب المحرمات:۳/۳۷،امداد المفتیین:۲/۴۶۵

ب) کسی شخص کی بیوی اور اس کے والدین کے حکم میں تعارض ہو جائے تو کس کے حق وحکم کو مقدم رکھے؟ مثلاً بیوی ایک بات کا تقاضا کرے جبکہ والدین اس کے خلاف کا تقاضا کر رہے ہوں تو کس کو ترجیح دے؟ اس صورت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آدمی اپنے والدین کے حکم کو مقدم رکھے۔ "أي الناس أعظم حقاً على الرجل؟ قال: أمه" (۱) ظاہر ہے جب جریج راہب نے والدہ کے حکم کے مقابلہ میں نماز کو ترجیح دیا تو اللہ کی طرف سے آزمائش ہوئی پھر بیوی کو ترجیح دینے کا کوئی مطلب باقی نہیں رہ جاتا ہے، اولاد کو چاہئے کہ شادی کے بعد والدین کے حقوق وحکم کو مقدم رکھے، بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو اور حقوق العباد میں سے کسی کے حق میں کوتاہی یا کمی کا حکم نہ ہو۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ماں کی محبت میں ظلم کرے، بلکہ اطاعت والدین کی کرتے ہوئے بیوی کی تنہائیوں میں دلجوئی کرے۔ (۲)

شوہر یا والدین کی خدمت

بیوی کو چاہئے کہ شوہر اور والدین میں سے حتی الوسع کسی کی نافرمانی نہ کرے؛ لیکن اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ ان میں سے کسی ایک کی تعمیل ہی کی جاسکتی ہے تو بیوی کے لئے شوہر کا حق مقدم ہے (اور نکاح کے بعد تو عورت کا امیر شوہر ہی ہوتا ہے):

"ولو كنت آمرًا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها، ولو أمرها أن تنقل من جبل أصفر إلى جبل أسود، ومن جبل أسود إلى جبل أبيض، كان ينبغي لها أن تفعله" (۳)

۴) والدین سے بصد ادب معذرت کرلیا کریں، جولڑکیاں شوہر کے مقابلے میں والدین

---

(۱) السنن الکبری للنسائی، کتاب عشرۃ النساء: ۵/ ۳۶۳، حدیث نمبر: ۹۱۴۸

(۲) نیز دیکھئے کتاب النوازل: ۱۵/ ۱۴۱

(۳) مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۴۴۷۲

کے حکم کو فوقیت دیتی ہیں وہ اپنے گھر کبھی سکون سے آباد نہیں ہوسکتیں۔(۱)

جنت والدین کے قدموں کے نیچے ہے، یعنی ان کی خدمت کرنا اور راضی رکھنا لازم ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ شوہر کی اطاعت لازم ہے، لہٰذا شادی کے بعد اگر والدین جائز کاموں میں شوہر کی فرماں برداری سے روکیں تو ان کو حق نہیں اور ایسی حالت میں لڑکی کو ان کی اطاعت بھی لازم نہیں، والدین اور شوہر سب کا ہی احترام لازم ہے اور ناحق بات کسی کی ماننا جائز نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میکہ میں اندھی محبت کرنے والی ماں ملتی ہے، جب کہ سسرال میں ذمہ داریاں پوری کرنے پر مقام ملتا ہے، سگی ماں کا گھر ذمہ داریاں سیکھنے کے لئے ہے، اماں ساس کا گھر ذمہ داریاں نبھانے کے لئے ہے، پروردگار عالم نے کسی کو یکساں، ایک مزاج کا نہیں بنایا، مختلف مزاجوں کو نبھائے بغیر کوئی انسانی سماج نہیں چل سکتا۔

والدین کا صغیرہ لڑکی کا مہر لینا

اگر والدین اپنی صغیرہ لڑکی کا نکاح کردیں اور اس کا مہر اپنے قبضہ میں رکھنا چاہیں تو کیا لڑکی کو منع کرنے کا حق حاصل ہے؟ یا والدین کی اطاعت پر خاموش رہنا واجب ہے؟

اس مسئلہ میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ والد اپنی صغیرہ لڑکی کا مہر اپنے قبضہ میں رکھے گا اور اس میں لڑکی کی اجازت بھی ضروری نہیں ہے، البتہ والد کے ذمہ ہے کہ مہر لینے کے بعد اس کی حفاظت کرے، جب بالغہ ہوجائے تو اس کے حوالے کردے:

"(قوله لأبي الصغيرة المطالبة بالمهر) ... وليس لغيرهم الأم، وليس لها القبض إلا إذا كانت وصية، وحينئذ فتطالب الأم إذا بلغت دون الزوج"(۲)

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۵۶۱، فتاوی دار العلوم دیو بند: ۱۶/ ۵۱۲

(۲) فتاوی شامی: ۳/ ۱۶۱، الفتح الربانی للبنانی فقہ مالکی: ۴/ ۶۹، دار الكتب العلمية، بيروت، روضة الطالبين للنووی: ۵/ ۶۴۴، الممتع للتنوخی: ۵/ ۱۷۳

والدین کا اپنی بالغہ لڑکی کا مہر لینا

بالغہ لڑکی کی دوصورتیں ہیں: (۱) بالغہ باکرہ (۲) بالغہ ثیبہ

اگر لڑکی بالغہ ثیبہ ہوتو اس صورت میں تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا مہر لینا والد کے لئے درست نہیں ہے، چونکہ اولاد بالغ ہونے کے بعد وہ خود اپنے مال کی مالک ہوتی ہے کسی اور کو ان کے مال پر ان کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ وہ والد ہی کیوں نہ ہو، اور اگر والد لینا چاہیں تو بالغہ کو روکنے کا حق حاصل ہے، اس میں وہ والد کی نافرمان شمار نہیں ہوگی: "و الثیب البالغة حق القبض لها دون غیرها" (۱)

اگر لڑکی بالغہ باکرہ ہوتو اس میں فقہاء کرام کے دوقول ہیں:

۱) مالکیہ، شوافع، اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق والد کو لڑکی کی اجازت کے بغیر مہر لینا درست نہیں ہے۔ "ولا یقبض صداق الثیب الکبیرة إلا بإذنها" (۲) اس سے پتہ چلا کہ مہر لینے کے سلسلہ میں والدین کی اطاعت کرنا واجب نہیں ہے، چونکہ والد کو بالغہ کے مال پر ولایت حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی ولایت اجبار حاصل ہے، اس لئے مہر لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲) احناف اور حنابلہ کی ایک رائے کے مطابق والد کو مہر لینے کا حق ہے، البتہ اگر لڑکی لینے سے منع کردے تو لینے کا حق نہیں ہے۔ "للأب والجد والقاضي قبض صداق البکر صغیرة کانت أو کبیرة إلا إذا نهته وهي بالغة صح النهي" (۳) اس سے پتہ چلا کہ مہر لینے کے سلسلہ میں باکرہ بالغہ پر والد کی اطاعت واجب ہے، چونکہ والد کو شفقت حاصل ہے، جب والد کو ولایت اجبار حاصل ہے تو مہر لینے کا حق بھی حاصل ہے۔ (۴)

---

(۱) فتاوی شامی: ۴/ ۳۱۴، دار عالم الکتب للطباعة والنشر والتوزیع

(۱) الانصاف للمرداوی: ۸/ ۲۵۳ (۲) ردالمحتار: ۴/ ۳۱۴

(۳) نیز دیکھئے: خیرالفتاوی: ۴/ ۵۵۲

والد کے حکم پر بیوی کو طلاق دینا

اللہ تعالیٰ نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے کیونکہ آدمی عقل وسمجھ کے لحاظ سے عورت کی نسبت پختہ ہوتا اور اپنے اچھے بُرے کو پہچان کر فیصلہ کرتا ہے،اور حلال اشیاء میں طلاق سے زیادہ مبغوض کوئی چیز نہیں ہے،اگر کسی شخص کے والدین اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق کا حکم کریں تو اطاعت واجب ہے یا نہیں؟اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے چار قول ہیں:

۱) فقہ حنفی میں دو قول ہیں :والدین اگر طلاق کا حکم کریں تو اطاعت واجب ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اطاعت واجب نہیں ہے:"أنه لا تجب طاعة الوالدين في أمرهما بالطلاق" (۱)

۲) فقہ مالکی میں ہے کہ طلاق کے حکم پر والدین کی اطاعت واجب ہے:

"جاءت في السنة أحاديث كثيرة تقتضي لزوم طاعتهما فيما أمرا به، فمنها ما رواه الترمذي عن ابن عمر قال: كان تحتي امرأة أحبها وكان أبي يكرهها فأمرني أن أطلقها ... لم يرتفع حكم الله بحكم غيره بل بحكمه، وذلك أنه لما أوجب علينا طاعتهما والإحسان إليهما وكان من ذلك امتثال أمرهما وجب ذلك الامتثال لأنه لا يحصل ما أمرنا الله به إلا بذلك الامتثال" (۲)

۳) فقہ شافعی میں ہے کہ اگر والدین بغیر تعنت وزیادتی کے طلاق کا حکم کریں اور لڑکے کو طلاق دینے کے بعد اپنے متعلق گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اطاعت کرنا واجب ہے،ورنہ اطاعت کرنا واجب نہیں ہے:

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح:۱/ ۱۳۲،مشکل الآثار:۳/ ۴۱۷

(۱) المفہم للقرطبی:۶/ ۵۲۱

"بحسب مسوغ الأمر بالطلاق وما يلزم عنه: فإن كان لمجرد التعنت لم تجب الطاعة وإلا وجبت بشرط أن لا يترتب على ذلك خوف فتنة أو مشقة" (۱)

۴) فقہ حنبلی میں ہے کہ اگر والدین طلاق کا حکم کریں تو اطاعت واجب نہیں ہے خواہ والدین کا یہ حکم انصاف پر مبنی ہو: "و(لا يجب) على ابن (طاعة أبويه) ولو كانا (عدلين في طلاق زوجته)" (۲) اور "الانصاف" میں ہے کہ والد کا حکم اگر انصاف پر مبنی ہو تو اطاعت واجب ہے: "يجب بشرط أن يكون أبوه عدلا" البتہ والدہ اگر حکم کریں تو اطاعت واجب نہیں ہے۔ (۳)

۵) حاصل یہ کہ شوافع، حنابلہ، اور احناف کے ایک قول کے مطابق طلاق کے حکم پر والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے، مالکیہ اور احناف کے ایک قول کے مطابق اطاعت واجب ہے۔

حضرت اسماعیل کا اپنی بیوی کو طلاق دینا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو مکہ مکرمہ میں چھوڑ گئے اس وقت وہ ایک ایسی وادی تھی جہاں سبزہ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو ان کا نکاح قبیلہ بنو جرہم کی ایک لڑکی سے ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کرنے جاتے تھے اور اس سے جو کچھ ملتا تھا اسی سے گزر بسر ہوتا تھا۔ شکار ایک ہوائی روزی ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی شکار ملتا اور کبھی نہ ملتا۔ ایک مرتبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کو گئے ہوئے تھے کہ پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر آئے۔ انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ سناؤ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی، بس زندگی گزر رہی ہے۔

---

(۱) تحفة المنهاج لابن حجر هيثمی: ۸/ ۴

(۲) شرح منتهی الارادات للبهوتی: ۵/ ۳۶۴

(۳) الانصاف للمرداوی: ۸/ ۴۳۰

کبھی شکار ملتا ہے کبھی نہیں ملتا۔ بہت تنگی کا وقت گزر رہا ہے۔ بہر حال گزارا ہو رہا ہے۔ اس نے اس طرح ناشکری کے الفاظ کہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر فرمایا۔ اچھا مجھے واپس جانا ہے۔ جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں میرا سلام کہہ دینا اور ان سے کہہ دینا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں ہے، اسے بدل لینا، یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ وہ عورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات نہ سمجھ سکی۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر واپس آئے تو ان کی بیوی نے انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پورا پیغام سنا دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ وہ تو میرے والد گرامی تھے۔ میری ان سے ملاقات تو نہیں ہو سکی البتہ وہ مجھے ایک پیغام دے گئے ہیں کہ گھر کی چوکھٹ اچھی نہیں ہے، اسے بدل دینا، یعنی تمہاری بیوی ناشکری ہے، اسے بدل دینا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے کر اسے فارغ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور قبیلہ کی لڑکی کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ اب یہ عورت بڑی صابرہ شاکرہ تھی۔ سال دو سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔ اب کی بار بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا۔ سناؤ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگی کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے اتنا نیک خاوند عطا کر دیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنے اچھے اخلاق والا، اچھے کردار والا، متقی اور پرہیزگار اور محبت کرنے والا خاوند دیا، میں تو اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، کھانا پینا کیسا ہے؟ کہنے لگیں، رزق تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جو ملتا ہے ہم کھا لیتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کر لیتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں۔ جب اس نے شکر کی اچھی اچھی باتیں کیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل خوش ہو گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا اب میں چلتا ہوں تم اپنے خاوند کو میری طرف سے سلام کہہ دینا اور کہنا کہ تمہارے گھر کی چوکھٹ بڑی اچھی ہے، لہٰذا تم اس کی حفاظت کرنا۔ یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پیغام سنا تو وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ وہ میرے والد گرامی

تھے اور وہ مجھے پیغام دے گئے ہیں کہ تم ایک اچھی بیوی ہو۔ مجھے تمہاری قدر کرنی ہے اور تمہیں زندگی بھر اپنے ساتھ رکھنا ہے۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وہ بیوی تھیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور ان کی نسل اس عورت سے آگے چلی۔(۱)

اس عورت نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ناشکری کی تھی جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو طلاق کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو طلاق دینا

حمزہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے باپ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میری ایک بیوی تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا اور (میرے باپ) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس سے نفرت کرتے تھے۔ میرے باپ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کو طلاق دے دو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: اپنے باپ کی فرمانبرداری کرو اور اس کو طلاق دے دو۔(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ دور اندیش آدمی تھے۔ ان کے پیش نظر بھی ضرور کوئی ایسی وجہ تھی کہ انہوں نے اس عورت کو چھوڑنے کا حکم دیا۔(۳)

لہٰذا اگر والدین اپنے بیٹے کو اس کی بیوی کے شر سے بچانے کے لیے طلاق کا حکم کریں تو درست ہے، لیکن کسی عذر کے بغیر طلاق کا حکم کرنا درست نہیں مثلاً ماں باپ محض دشمنی یا غلط فہمی کی وجہ سے طلاق کا حکم کریں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ بیوی کو بلا عذر طلاق دینا اس پر ظلم ہے اور خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت کرنا حرام ہے، البتہ ماں کے ساتھ نیکی فرض ہے اور طلاق کا کہنا نہ ماں کے حق میں نیکی ہے نہ ہی

(۱) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب یزفون النسلان في المشي، حدیث نمبر: ۳۳۶۴

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی، ھشام بن حسان عن الحسن عن عمران، حدیث نمبر: ۳۸۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں علی بن سعید بن بشیر ہیں، یہ لین ہیں، یہ حافظ ہیں، اس کے بقیہ رجال ثقات ہیں۔

(۳) بذل المجھود، کتاب الأدب، باب بر الوالدین: ۱۳/ ۶ ۵۳، دار البشائر الاسلامیة

بیوی کے حق میں، اس لئے ان کا یہ حکم جھٹلایا جاسکتا ہے اور یہ نافرمانی شمار نہیں ہوگا۔ قال النبی ﷺ: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔

والد کے حکم پر طلاق - پر ایک اشکال کا جواب

کسی سائل کو یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ والد کے حکم پر طلاق دے دینا چاہئے؛ لیکن بعد کی گفتگو سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ والد کے حکم پر طلاق دینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ مصلحت، حکمت اور بیوی کے قصور و عدم قصور پر طلاق کے مدار کو رکھا جائے۔

اس سوال کے جواب کو مختلف کتابوں کے موازنہ سے دیکھا جائے تو جواب ظاہر ہوجائے گا۔

۱) چنانچہ یہی بات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمائی، امام احمد رحمہ اللہ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی کو طلاق کا حکم کیا ہے؟ فرمایا: اسے طلاق نہ دو وہ شخص کہنے لگا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کے طلاق کا حکم کیا تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں ہاں اگر تمہارا باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہوجائے تب ٹھیک ہے۔(۱)

۲) حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: "إن امرأتي لا تدفع يد لامس" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "طلقها" اس شخص نے "إني أحبها" پھر فرمایا: "فاستمتع بها" (۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹے کو طلاق کا حکم دے تو یہ مشورہ کے درجہ میں ہے، حکم شرعی کے درجہ میں نہیں ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں بیوی کی تقصیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق کا حکم یعنی مشورہ دیا اور آپ کا درجہ یقینا باپ سے بڑھ کر ہے اور آپ

---

(۱) الآداب الشرعية لابن مفلح: ۱/۴۴۷

(۲) المعجم الأوسط، حدیث نمبر: ۴۷۰۷

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ نہیں مانا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض بھی نہیں ہوئے اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ان کے والد کا حکم اور ان کے والد کے حکم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ تسلیم کرنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لئے ضروری نہیں تھا؛ لیکن انہوں نے قبول کرلیا، اگر کوئی قبول نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔علی ہذا القیاس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ بھی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے تسلیم نہیں کیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہیں ہوئے۔(۱)

روح المعانی میں ہے کہ

''اگر کسی کو بیوی سے محبت ہو اور ماں یا باپ بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں، اگرچہ وہ حکم عورت کی بدچلنی کی وجہ سے ہو، اور لڑکا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ باپ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس عورت کو طلاق دے دے''(۲)

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ

''اگر والدین کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو تو ان کی اطاعت واجب ہے؛ البتہ ناجائز اور گناہ کے کاموں میں والدین کی کیا کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں اور والدین کا بھی ہر حکم واجب الاطاعت نہیں''۔(۳)

ریاض الصالحین کی شرح میں شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں کہ

''صلہ رحمی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک جنت میں داخلہ کا سبب ہے اور یہ اشارہ ہے کہ لڑکا اپنی بیوی کو والدین کے حکم پر طلاق دے دے، لیکن ہر ماں باپ اپنے بیٹے کو ایسی طلاق کا حکم نہیں دیتے جس کی

---

(۱) فتاوی دار العلوم زکریا: ۴/ ۵۸، وکذا فی دار العلوم دیوبند: ۱۶/ ۵۲۱

(۲) تحفۃ الالمعی: ۵/ ۲۳۹، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۶/ ۵۲۱

(۳) تحفۃ الالمعی: ۴/ ۸۴، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۶/ ۵۲۱

اطاعت واجب ہو: "ولكن ليس كل والد يأمر ابنه بطلاق زوجته تجب طاعته" کیوں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی کو طلاق کا حکم کیا ہے؟ فرمایا: اسے طلاق نہ دو، وہ شخص کہنے لگا: عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کے طلاق کا حکم کیا تھا تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کیا تمہارا باپ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہے؟ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ والدین کا ہر حکم واجب نہیں ہوتا ہے''۔(۱)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

''والدین کی رضامندی کے لئے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے؛ لیکن ایسی حالت میں جب کہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا اور اس کو جدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کو جدائی کے ناقابل برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے والد کس کو نصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کردار کی توقع رکھی جاسکے؛ اس لئے والدین کی رضامندی کے لئے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن حالات پر نظر رکھے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے''(۲)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''جب کہ بیوی میں دینی، اخلاقی، معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں اور وہ اپنے شوہر کے والدین کو نہیں ستاتی، بلکہ ان کی خدمت کرتی ہے اور ان

---

(۱) شرح رياض الصالحين: ۱/ ۲۰۷، فتاوی دار العلوم زکریا: ۴/ ۵۹

(۲) فتاوی حقانیہ: ۴/ ۵۸۰، کذا فتاوی حقانیہ: ۲/ ۴۴۸

کوخوش رکھتی ہے، ادھر شوہر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر بیوی کو طلاق دے
دی بیوی کی حق تلفی ہوگی، تو ان مجموعی حالات کے پیش نظر طلاق نہیں
دینی چاہیے، طلاق نہ دینے سے لڑکا گنہگار بھی نہ ہوگا'' (۱)

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر والدین حق پر ہوں تو والدین کی اطاعت واجب ہے، اور اگر بیوی
حق پر ہو تو والدین کی اطاعت ظلم ہے اور اسلام جس طرح والدین کی
نافرمانی کو برداشت نہیں کرسکتا، اسی طرح ان کے حکم سے کسی پر ظلم
کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا''۔ (۲)

اگر والدین اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق دینے کا حکم دیں تو یہ دیکھا جائے کہ واقعی بیوی فاجرہ، بدزبان وغیرہ ہے یا نہیں ہے، اگر واقعی بیوی بدزبان فاجرہ ہے اور باپ حق پر ہے تو بیوی کو طلاق دینا واجب ہے، ورنہ جائز اور افضل ہے:

"عَنْ ابْنِ عُمَرَ ﷺ قَالَ: كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا، وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا، فَأَمَرَنِي أَبِي أَنْ أُطَلِّقَهَا، فَأَبَيْتُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ! طَلِّقْ امْرَأَتَكَ" (۳)

مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ

''اگر شوہر طلاق دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں سمجھتا، تو اسے اپنے

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۲/ ۱۶۱، فتاوی دار العلوم زکریا: ۴/ ۶۰

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/ ۶۸۳، کتاب النوازل: ۹/ ۴۰، فتاوی محمودیہ: ۱۲/ ۱۶۲، امداد الفتاوی جدید مطبوعہ: ۵/ ۳۴۳

(۳) ابو داؤد، أول كتاب الأدب، باب في بر الوالدين، حدیث نمبر: ۵۱۳۸، ترمذی: ابواب الطلاق عن رسول الله، باب الرجل يسأله أبوه أن يطلق زوجته، حدیث نمبر: ۱۱۸۹، سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق فيمن خبب إمرأة امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے دیکھئے (رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۱۳۴، بحوالہ شرح مشکل الآثار)

والدین کو نرمی کے ساتھ سمجھا دینا چاہئے کہ طلاق بالکل آخری قدم ہے جسے بغیر شدید مجبوری کے اختیار نہ کرنا چاہئے، حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد منقول ہے: "أبغض المباح إلى الله الطلاق" (سنن ابوداد: ۱/ ۳۰۲) یعنی مباحات میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے، امید ہے کہ نرمی اور حکمت سے فہمائش کی جائے گی تو والدین سمجھ جائیں گے اور اگر پھر بھی وہ نہ سمجھیں تو طلاق نہ دے، اور راضی کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ (۱)

والدین کے حکم پر شوہر سے خلع لینا

چاروں مسالک کی کتب فقہ میں اس جزئیہ کی صراحت نہیں مل سکی، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''مجموع الفتاوی'' میں لکھا ہے کہ والدین کے حکم پر شوہر سے خلع لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر شوہر معصیت کا حکم کرتا ہو اور والدین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم کرتے ہوں تو والدین کی اطاعت کرنا واجب ہے، اگر شوہر معصیت کا حکم نہ کرتا ہو (گو کہ خود معصیت میں مبتلا ہو) تو والدین کے حکم پر خلع لینا جائز نہیں ہے، چونکہ بلاوجہ اولاد کو تربیت سے محروم کرنا ہے، اس لئے لڑکی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے شوہر کے حقوق کو ادا کرتی رہے، اور بلاوجہ اپنے رشتہ کو والدین کے کہنے پر برباد نہ کرے، بعض مرتبہ جہالت کی وجہ سے والد یا بھائی وغیرہ کہتے ہیں کہ ''شوہر کو چھوڑ کر آجا، اس کی سن کر پڑے رہنے کی ضرورت کیا ہے، ہم پال لیں گے'' وغیرہ یہ سب باتیں ناجائز وحرام ہے۔

حدیث میں ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا، أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ (۲)

---

(۱) فتاوی عثمانی: ۱/ ۲۹۲

(۲) سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق فیمن خبب امرأة علی زوجها، حدیث نمبر: ۲۱۷۵

جو بیوی کو شوہر کے خلاف ورغلائے یا غلام کو آقا کی نافرمانی کے لئے اکسائے وہ ہم میں سے نہیں۔

دوسری روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، ؓ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ؟ قَالَ: زَوْجُهَا قُلْتُ: فَأَيُّ النَّاسِ أَعْظَمُ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ؟ قَالَ: أُمُّهُ، وَمِنْهَا" (۱)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے شوہر کا ہے، میں نے دریافت کیا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی ماں کا۔

دوسری جگہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِي غَيْرِ مَا بَأْسٍ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ" (۲)

جو عورت بھی بغیر عذر شرعی کے شوہر سے طلاق وعلاحدگی کا مطالبہ کرے وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گی۔

اصولی بات

مذکورہ روایت سے ایک اہم سماجی ضابطہ کا علم ہوا کہ مرد کسی پر (بیوی اور ماں میں سے) ظلم نہ کرے، ماں کی محبت میں بیوی پر ظلم، بیوی کی حمایت میں ماں سے لاپرواہی، دونوں بے اعتدالیاں ہیں، جائز چیزوں میں ماں کی اطاعت کرلے؛ مگر تنہائیوں میں بیوی کی دلجوئی کرے، والدہ محترمہ کے تجربات اور ان کے مجاہدات سے ضرور فائدہ اٹھایا

---

(۱) المستدرک: کتاب البر و الصلة، حدیث نمبر: ۷۲۴۴

(۲) سنن ابن ماجه: باب کراهیة الخلع للمراة، حدیث نمبر: ۲۰۵۵

جائے، لیکن بیوی کی جسمانی صلاحیت، موجودہ زمانے کی کمزوری، اس کے خاص اعذار سے صرفِ نظر بھی نہ کرے، بااختیار کے ظالم بننے کا اندیشہ ہے شوہر کو چاہئے کہ تجربہ کار علماء کرام سے قدم قدم پر رہنمائی حاصل کرے

چولہا الگ کرنا قطع رحمی نہیں

آج دنیا میں ماں باپ، بھائی بہنوں ے علیحدہ رہنا بہت معیوب خیال کیا جاتا ہے، جبکہ معاشرتی مصالح کے پیش نظر (پردہ کا اہتمام نہ ہونا، بیوی اور ماں کے جھگڑوں کا کثرت سے ہونا، اولاد کی تربیت کا صحیح انتظام نہ ہونا، ساتھ رہ کر بھائیوں میں اختلافات کا پایا جانا وغیرہ) الگ رہنا اور حقوق ادا کرتے رہنا اکرام مسلم کے خلاف نہیں ہے، الگ رہ کر بھی ان سے محبت اور ضرورت پر ان کی خدمت اور آتے جاتے رہنا اکرام مسلم کے خلاف نہ ہوگا۔(۱)

بدچلن ماں باپ سے علیحدگی

اگر ماں باپ کی بدچلنی مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس درجہ کی ہو کہ لوگوں کی نظر میں ذلت اور حقارت ہوتی ہو تو اپنی دینی وعرفی عزت کی حفاظت اور ماں باپ کے افعال ذمیمہ کے خلاف احتجاج کے طور پر ان سے علیحدگی کر لینی جائز ہے؛ لیکن ان کے ساتھ کوئی سختی اور توہین کا برتاؤ نہ کرے اور ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا رہے۔

"إذا رأى منكرا من والديه يأمرهما مرة فإن قبلا فبها وإن كرها سكت عنهما واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما فإن الله تعالى يكفيه ما أهمه من أمرهما" (۲)

---

(۱) اس موضوع پر بہشتی زیور کے بعض ابواب والدہ ابوالحسن علی ندوی خیر النساء بہتر کی ''حسن معاشرت'' پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی کی گھریلو جھگڑوں کے نجات ''ازدواجی زندگی کے سنہرے اصول'' مثالی بہو، مثالی ساس، وغیرہ سے خوب استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مستفاد: فتاوی محمودیہ:۱۹/ ۳۱-۳۲

(۲) ردالمحتار، باب التعزیر: ۴/ ۷۸، سعید، کفایت المفتی: ۵/ ۲۴۴

مولانا یوسف لدھیانوی ﷫ تحریر فرماتے ہیں کہ

''اول تو ہر ممکن کوشش کرے اور والدین کو سمجھائے اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو قطع تعلق کرلیا جائے''(۱)

اسی طرح جو والدین صحابۂ کرام کو کھلم کھلا گالیاں دیتے ہوں تو ان کو سمجھائیں، نہ ماننے کی صورت میں ان سے الگ تھلگ ہوجائیں، ان کا منہ بند کرنے کے بجائے ان کو منہ نہ لگائیں۔(۲)

نافرماں اولاد سے قطع تعلق

کوئی اولاد اپنے والدین کی نافرمانی کرے اور اس نافرمانی کے اندر والدین کو اذیت پہنچے اور خدا کا کلام پڑھنے پڑھانے، بیوی بچوں کو پڑھنے پڑھانے میں روگردانی کرے، باتوں میں والدین کے ساتھ گستاخی کرتا ہو، زبانی اقرار سے قرآن وحدیث کا قائل ہو، مگر فعل اور روش سے مخالف ہو، والدین نیک باتوں کی ہدایت کرتے ہوں اور وہ الٹا سمجھ کر دل میں تعصب رکھ کر بدلہ لینے پر تیار ہو، بات چیت ایسے کرتا ہو کہ کفر عائد ہوجائے تو ایسی اولاد کے ساتھ والدین زجر کرنے کی نیت سے مقاطعہ کرلیں تو جائز ہے اور اگر نافرمانی حد کفر تک پہنچ جائے تو پھر مقاطعہ کرنا واجب ہے۔(۳)

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (۴)

والدہ کے کن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے؟

انسان کی والدہ چونکہ اس کے لے محترم شمار کی جاتی ہے جس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

---

(۱) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۷ ۵۴

(۲) حوالہ سابق: ۸/ ۵۷۰

(۳) کفایت المفتی: ۵/ ۲۴۲ - ۲۴۳، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۶/ ۵۱۹، اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۸/ ۳۴۶

(۴) الانعام: ۶۸

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اولاد کو اپنی والدہ کے سر اور چہرہ اور سینہ اور پنڈلی اور بازو کو دیکھنا جائز ہے؛ لیکن کمر اور پیٹ اور ران کو دیکھنا جائز نہیں۔

اور شافعیہ کے نزدیک والدہ اور دوسری محترم عورتوں کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان کے حصہ کو دیکھنا تو جائز نہیں اور اس کے علاوہ جسم کے باقی حصوں کو دیکھنا جائز ہے۔

لیکن محترم عورت کے کسی عضو کو دیکھنے کے جائز ہونے کا حکم اس وقت ہے جب کہ شہوت کی نظر سے نہ دیکھا جائے اور شہوت کی نظر سے دیکھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے۔ اور والدہ کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، ان کو چھونا اور ہاتھ لگانا بھی جائز بشرطیکہ شہوت کا خوف نہ ہو۔ (۱)

والدین کو ان کے اصل نام سے پکارنا

اولاد کے لئے بلاضرورت اپنے والدین کو اصل نام سے پکارنا کراہت و بے ادبی سے خالی نہیں، جس سے پرہیز کرنا چاہئے، الا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آئے۔ (۲)

والد کے احترام کی بعض صورتیں

حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تم دونوں کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ تو ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو ان کے نام کے ساتھ نہ پکارو، اور نہ ہی ان کے آگے چلو؟ اور نہ ہی ان سے پہلے بیٹھو۔ (۳)

مرنے کے بعد نافرمان اولاد کیا کرے؟

عبادات بدنی و مالی سے ایصال ثواب کرنا، مثلاً: نفلی نماز، روزہ، صدقہ، حج،

---

(۱) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۶۷

(۲) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۶۶

(۳) الأدب المفرد، باب یسمی الرجل أباه، ولا یجلس قبله، ولا یمشی أمامه، حدیث نمبر: ۴۴، رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام: ۴۰۴

تلاوت، درود شریف، تسبیحات، دعاء استغفار، حدیث میں ہے کہ ایک شخص والدین کی زندگی میں والدین کا نافرمان ہوتا ہے، مگر والدین کے مرنے کے بعد اسے اپنی حماقت پر ندامت ہوتی ہے اور وہ والدین کے حقوق کا بدلہ ادا کرنے کے لئے ان کے حق میں برابر دعاء استغفار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے والدین کا فرمانبردار لکھ دیتے ہیں:

"إن العبد ليموت والداه أو أحدهما وأنه لهما لعاق فلا يزال يدعو لهما، ويستغفر لهما حتى يكتبه الله بارًا" (۱)

والدین کی وفات کے بعد حسن سلوک کا طریقہ

والدین کے ساتھ صلہ رحمی، حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا اصل وقت تو والدین کی زندگی میں ہی ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات اولاد کی طرف سے والدین کے حقوق کی ادائیگی اور صلہ رحمی کرنے کے متعلق زندگی میں کمی کوتاہی سرزد ہوجاتی ہے، اور والدین وفات پاجاتے ہیں، یا کسی والدین کی زندگی میں حسنِ سلوک کرنے کے باوجود والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کا تقاضہ ہوتا ہے تو احادیث میں والدین کی وفات کے بعد بھی حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کے لئے بہترین اعمال تجویز کئے گئے ہیں جن کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ قبیلہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد (بھی) کوئی ایسی چیز باقی

---

(۱) رواه البيهقي في شعب الإيمان، مشكوة، حديث نمبر: ۴۹۲۴، باب البر والصلة، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۵۷۵-۵۷۶، فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶/۵۱۰، احسن الفتاوی: ۹/۲۸، کتاب النوازل ۱۵: ۱۱۱/، جامع الفتاوی: ۱۰/۳۰

ہے، جس کے ذریعہ سے میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک (یعنی صلہ رحمی اور نیکی والا برتاؤ) کرسکوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (والدین کی وفات کے بعد صلہ کرنے کی یہ چیزیں باقی ہیں)۔

ان کے لئے (اللہ کی طرف سے) رحم کی دعا کرنا اور ان کے لئے استغفار (یعنی ان کی مغفرت کے لئے دعا) کرنا اور ان کے (فوت ہوجانے کے) بعد اس عہد (یعنی وصیت و نیک چاہت) کو پورا کرنا کہ جس کو وہ انجام دینا چاہتے تھے اور وہ صلہ رحمی کرنا جو صرف ماں باپ کے تعلق (ورشتہ داری کی وجہ سے) سے ہو اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا:

"قال:نعم الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التى لا توصل إلا بهما، وإكرام صديقهما" (۱)

رضاعی والدین کے ساتھ حسن سلوک

الف) نسبی والدین کی طرح رضاعی ماں کا بھی احترام وخدمت ضروری ہے، نسب سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں رضاعت سے بھی وہی احکام ثابت ہوتے ہیں، اس لئے رضاعی ماں کے ساتھ نسبی ماں کی طرح سلوک کرے اور رضاعی باپ کے ساتھ نسبی باپ کی طرح سلوک کرے "إن الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة" (۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگرچہ اپنے والدین کی خدمت کا موقع نہیں ملا لیکن رضاعی ماں، حضرت حلیمہ کے ساتھ آپ کا جو سلوک رہا وہ شاہد ہے کہ جب رضاعی ماں کے لیے آپ کے جذبات یہ تھے تو حقیقی ماں کے لیے کیا کچھ ہوتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ

---

(۱) ابو داؤد، كتاب الأدب، فى بر الوالدين، حدیث نمبر:۵۱۴۲، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام:۴۱۵-۴۱۶

(۲) صحيح بخاری، كتاب النكاح، حدیث نمبر:۵۰۹۹

آمنہ نے سات دن آپ کو دودھ پلایا، آٹھویں دن ابولہب کی کنیز ثوبیہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا،ثوبیہ نے دودھ بھی پلایا اور دیکھ بھال بھی کی، یہ چند دن کی دیکھ بھال تھی، یہ چند دن کا دودھ تھا؛لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس احسان کو پوری زندگی یاد رکھا، مکہ کا دور تھا تو ثوبیہ کو میری ماں میری ماں کہہ کر پکارتے تھے، ان سے حسن سلوک بھی فرماتے تھے،ان کی مالی معاونت بھی کرتے تھے،مدنی دور آیا تو مدینہ سے ابولہب کی کنیز ثوبیہ کے لئے کپڑے اور رقم بھجواتے تھے، حضرت حلیمہ سعدیہ رضاعی ماں تھیں، یہ ملاقات کے لئے آئیں، دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور میری ماں، میری ماں پکارتے ہوئے ان کی طرف دوڑ پڑے، وہ قریب آئیں تو اپنے سر سے وہ چادر اتار کر زمین پر بچھا دی جسے ہم کائنات کی قیمتی ترین متاع سمجھتے ہیں، اپنی رضاعی ماں کو اس پر بٹھایا،غور سے ان کی بات سنی اور ان کی تمام حاجتیں پوری فرما دیں، یہ بھی ذہن میں رہے، حضرت حلیمہ سعدیہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ اپنے پرانے مذہب پر قائم رہی تھیں، فتح مکہ کے وقت حضرت حلیمہ کی بہن خدمت میں حاضر ہوئیں، ماں کے بارے میں پوچھا، بتایا گیا، وہ انتقال فرما چکی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، روتے جاتے تھے اور حضرت حلیمہ کو یاد کرتے جاتے تھے، رضاعی خالہ کو لباس، سواری اور سو درہم عنایت کئے۔

حضرت ابوطفیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جعرانہ میں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوشت تقسیم فرما رہے ہیں کہ اچانک ایک خاتون آئیں جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں میں نے ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حسن سلوک دیکھا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟انہوں نے بتایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ماں ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا:

"إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ حَتَّى دَنَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَبَسَطَ لها رِدَاءَهُ، فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ: مَنْ هِيَ؟ فَقَالُوا: هَذِهِ أُمُّهُ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ"(۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔اس زمانہ میں جب کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوئی تھی (صلح حدیبیہ) میری ماں (رضاعی ماں) میرے پاس آئیں وہ ابھی اسلام نہیں لائی تھیں بلکہ شرک کی حالت میں تھیں۔تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ میرے پاس آئی ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ میں اسے کچھ دوں تو کیا میں اسے دے سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تم اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرو۔

ب) البتہ چند مسائل میں رضاعی ماں کے احکام مختلف ہیں مثلا رضاعی ماں اپنی رضاعی اولاد کی وارث نہیں ہوتی، رضاعی ماں کا نفقہ رضاعی اولاد پر واجب نہیں ہے، ایک دوسرے کے حق میں گواہی معتبر مانی جائے گی، قصاص ساقط نہیں ہوگا، وغیرہ۔

ایام حضانت میں زیارت کرنا

کسی وجہ سے میاں بیوی میں تفریق ہوجائے اور اولاد کسی ایک کے پاس پرورش پارہی ہو، مثلا ماں کے پاس پرورش پارہی ہو تو والد کو اور اگر والد کے پاس پرورش پارہی ہو تو والدہ کو اپنی اولاد کی زیارت کے لئے روزانہ آنے کی اجازت ہے، یا اولاد اس قابل ہے کہ اپنے والد یا والدہ کی زیارت کے لئے جاسکتی ہو تو انہیں زیارت کرنے کا حق حاصل ہے، کسی دوسرے کو منع کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور یہ ائمہ اربعہ کا متفقہ فیصلہ ہے:

"وفي الحاوي: له إخراجه إلى مكان يمكنها أن تبصر ولدها كل يوم كما في جانبها. وفي السراجية: إذا سقطت

(۱) ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۱۴۴

حضانة الأم وأخذه الأب لا يجبر على أن يرسله لها، بل هي إذا أرادت أن تراه لا تمنع من ذلك"(۱)

مالکیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ اولاد کو ہر دن دیکھنے اور بالغ اولاد کو ہفتہ میں ایک بار دیکھنے کا حق حاصل ہے:

"(وقضى للصغار) من أولادها بالدخول عليها (كل يوم) مرة لتفقدّ حالهم (وللكبار) منهم (كل جمعة) مرة (كالوالدين) يقضي لهما كل جمعة مرة"(۲)

مسلک شافعی میں ہے کہ اولاد سن تمیز کو پہنچنے کے بعد والد کے پاس رہنا چاہے تو اپنی والدہ کی زیارت کے لئے جانے کا اختیار حاصل رہے گا، البتہ باپ لڑکی کو زیارت سے روک سکتا ہے، ہاں ماں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو دیکھنے کے لئے آئے، باپ کو منع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، خواہ وہ اپنے لڑکے کو دیکھنے آئے یا لڑکی کو دیکھنے آئے، اور اگر اولاد بیمار ہو جائے تو تیماری کے لئے باپ سے زیادہ ماں بہتر ہے، کیونکہ ماں کا صبر اور رحم باپ میں نہیں پایا جاتا:

"(فإن مرضا فالأم أولى بتمريضهما) لأنها أهدى إليه وأصبر عليه من الأب ونحوه"(۳)

البتہ اولاد سے ملاقات کے وقت یہ بات ضروری ہے کہ اولاد کو دیکھنے کے بہانے ایک دوسرے سے آنکھ نہ لڑائے، چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے حق میں اجنبی ہیں، اس لئے ایسے وقت میں ملنے جائے جس وقت باپ نہ رہتا ہو یا ایسے وقت میں کہ باپ کے ساتھ تنہائی میسر نہ ہوسکے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۵/ ۲۷۴

(۳) مغنی المحتاج: ۵/ ۱۹۹

(۲) بلغة السالک للصاوی: ۲/ ۳۷۷، الناشر: دار المعارف

چھوٹے بچے کی پرورش کے حق میں والدہ مقدم ہے

چھوٹے بچے کی پرورش کا سب سے پہلا حق اس کی والدہ کو حاصل ہوتا ہے اور والدہ نہ ہو یا کوئی عذر ہو تو اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کو حاصل ہوتا ہے جن کا ذکر رشتہ داروں سے متعلق متفرق مسائل واحکام کے ذیل میں آتا ہے۔(۱)

اولاد کے فوت ہونے کے بعد والدین کو ملنے والی میراث

اگر کوئی فوت ہوجائے اور وہ اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ چھوڑے تو اس کے والدین اس کی میراث کے مستحق شمار ہوتے ہیں جو کہ کسی صورت میں بھی میراث سے محروم نہیں ہوتے۔

پھر اگر کوئی مرد یا عورت یا لڑکا یا لڑکی فوت ہوجائے تو اس فوت ہونے والے کی میراث سے ماں کو جو حصہ ملتا ہے اس کی مختلف حالتیں ہیں، اگر فوت ہونے والے نے اپنی کوئی اولاد چھوڑی ہو، یا دو سے زائد بھائی بہنیں چھوڑی ہوں تو والدہ کو اس کی فوت ہونے والی اولاد کی میراث میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے، اگر فوت ہونے والی نے نہ تو کوئی اپنی اولاد چھوڑی ہو اور نہ دو یا زیادہ بہن بھائی چھوڑے ہوں تو والدہ کو میراث میں تہائی حصہ ملتا ہے اور فوت ہونے والی عورت نے اپنے وارثوں میں صرف اپنا شوہر اور ماں اور باپ کو چھوڑا ہو تو اس صورت میں فوت ہونے والی عورت کے شوہر کا حصہ نکال کر باقی مال کا تیسرا حصہ اس فوت ہونے والی عورت کی والدہ کو ملتا ہے۔

اسی طرح فوت ہونے والے مرد نے اپنے وارثوں میں صرف اپنی ماں اور باپ کو چھوڑا ہو تو اس صورت میں فوت ہونے والے شخص کی بیوی کا حصہ نکال کر باقی مال کا تیسرا حصہ اس فوت ہونے والے شخص کی والدہ کو ملتا ہے۔

اور فوت ہونے والے کے والد کو میراث حاصل ہونے کے اعتبار سے یہ تفصیل ہے کہ فوت ہونے والے نے اگر اپنی نرینہ اولاد چھوڑی تو اس کے والد کو چھٹا حصہ ملتا

---

(۱) حوالہ سابق: ۴۶۸

ہےاور باقی حصہ اولاد کوملتا ہے۔اوراگرنرینہ اولاد نہ ہوتو والد کو چھٹے حصہ کے ساتھ باقی وارثوں سے بچا ہوا تمام حصہ ملتا ہے اورفوت ہونے والے کی کوئی اولاد نہ ہوتو دیگر وارثوں کے حصے نکالنے کے بعد سارا مال والد کوملتا ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁❁❁❁

(۱) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام:٦٦٤

حدود کے احکام

والدین کو قصاص میں قتل کرنا

اگر والدین اپنی اولاد کو قتل کر دیں تو انہیں قصاص میں قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کی دو رائے ہیں: مسلک حنفی، شافعی اور حنبلی میں والدین کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ حاکمِ وقت تعزیراً مناسب سزا تجویز کر سکتا ہے، مالکیہ کے نزدیک اگر والدین اولاد کو ذبح کر دیں یا قتل کا اقرار کر لیں تو قصاص میں قتل کیا جائے گا جیسے پیٹ کاٹ دے، یا گلا کاٹ دے یا نبض کاٹ دے وغیرہ ورنہ قتل نہیں کیا جائے گا جیسے تنبیہ کے لئے لکڑی سے مارا جس سے بچہ مر گیا۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ الآية میں باپ اور بیٹے کے فرق کے بغیر برابری کا حکم دیا ہے اس لئے قصاص میں برابری باپ بیٹے میں بھی ضروری ہے۔(۱)

جمہور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: والد اپنی اولاد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا: "لايقتل الوالد بالولد"(۲) اسی طرح "أنت ومالك لأبيك" کی وجہ سے شبہ ملکیت پیدا ہو گیا اور شبہات کی وجہ سے تعزیرات ساقط ہو جاتے ہیں۔ "فصار ذلك شبهة في سقوط القود به"(۳)

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۲/۲۵۰

(۲) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۴۰۱، سنن ابن ماجه، حدیث نمبر: ۲۶۶۱

(۳) أحكام القرآن للجصاص: ۱/۱۷۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ابی بن سلول کے قتل کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا، جب کافر معاند کے قتل سے منع کیا گیا تو مسلمان باپ کو کیسے قتل کیا جائے گا:

"فإذا كان النهي عن قتل الوالد، وهو كافر معاند، ألا يترك قتله وهو مسلم؟"(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص کو لایا گیا جس نے اپنے بیٹے کو قتل کردیا تھا تو آپ نے اس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: میں تجھے قتل کردیتا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ باپ سے بیٹے کا قصاص نہ لیا جائے۔(۲)

عقلی اعتبار سے بھی قصاص نہیں لیا جانا چاہئے کیونکہ جب والد اپنی اولاد پر زنا کی تہمت لگائے اور ثابت نہ کرسکے تو حد قذف جاری نہیں کی جاتی، اگر والد پر اولاد کا قرض ہو تو قید نہیں کیا جاتا، کیونکہ یہ سب امور ان کے ساتھ حسن سلوک کے خلاف ہے تو قتل میں قصاص لینا بھی حسن سلوک کے خلاف ہے۔

باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہے تو بیٹے کو باپ کے عدم (موت) کا سبب نہیں بنایا جائے گا، ویسے باپ کا باپ ہونا اور اس کی شفقت قتل عمد کے شبہ کو ختم کردیتا ہے تو قصاص قتل خطاء میں نہیں لیا جائے گا۔

والدین پر حد قذف جاری کرنا

اگر والدین اپنی کسی اولاد پر زنا کی تہمت لگائیں اور ثابت نہ کرپائیں تو کیا ان پر حد قذف جاری کی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے دو قول ہیں جمہور فقہاء

---

(۱) العزامي: ۷/۴۲۷

(۲) مسند أحمد بن حنبل: ۱/۲۲، سنن بيهقى: ۸/۲۷، موطا مالك، حدیث نمبر: ۱۰، باب ما جاء فی میراث العقل

حنفیہ،شافعیہ،حنابلہ اور مالکیہ کا راجح قول یہی ہے کہ حد جاری نہیں کی جائے گی:"(ولا یطالب ولد) أي: فرع وإن أسفل (وعبد أباه) أي اصله وإن علا ... بقذف"(۱)اور دوسرا قول مالکیہ کا یہ کہ ہے کہ حد قذف جاری کی جائے گی۔(۲)چونکہ اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہےاور اولاد اگر حد جاری کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ حسن سلوک کے خلاف ہے ،اس لئے حد جاری نہیں کی جائے گی:**وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا**(۳)جب اولاد کو"اف" کہنا بھی حرام ہےتو حد کا مطالبہ کرنا بدرجۂ اولی حرام ہوگا۔اسی طرح جب والدین پر سے قصاص ساقط ہےتو حد قذف تو بدرجۂ اولی ساقط ہوجائے گا،کیونکہ قصاص سزا کی حد اعلی ہےاور حد قذف حد ادنی ہے، جب اعلی ساقط تو ادنی بدرجۂ اولی ساقط ہوجائے گا۔

مالکیہ کے دوسرے قول کی وجہ **وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ الاٰية** کا عموم ہے،جس میں والد اور اولاد کے فرق کے بغیر حکم بیان کیا گیا ہے۔

اولاد کا مال چوری کرنے یا اولاد پر تہمت لگانے پر حد کا حکم

اگر والد یا والدہ اپنی اولاد کے مال کی چوری کرلےتو حد کے طور پر والدین کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گےاور اسی طریقہ سے اگر کسی کے والد یا والدہ اپنی اولاد پر تہمت لگادےتو والدین پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔(۴)

اولاد کو قتل کرنے پر والدین سے قصاص لینے کا حکم

اگر والدین میں سے کوئی اپنی اولاد کو قتل کردےتو والدین کو اولاد کے قصاص کے طور پر قتل نہیں کیا جائے گا،البتہ مناسب سزا دی جائے گی۔(۵)

---

(۱) ردالمحتار:۶/۹۱-۹۲ (۲) الذخیرة العقبی للقرافي:۱۲/۹۷

(۳) سورۃ الاسراء:۲۳ (۴) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام:۱۷۰

(۵) رشتہ داروں سے متعلق فضائل واحکام:۴۷۰

والدین کی طرف سے اولاد کو سزا دینے کا حکم

والدہ یا والد کو اپنے چھوٹے بچوں کی اصلاح وتنبیہ کی غرض سے مناسب سزا دینا یا اعتدال کے اندر رہتے ہوئے مار پیٹ کرنا جائز ہے۔

والدین پر حدسرقہ جاری کرنا

والدین میں سے اگر کوئی اپنی اولاد کا مال چرالے تو کیا چوری کی حد میں اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے؟ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ والدین پر حدسرقہ جاری نہیں کی جائے گی: "لا قطع علی أحد الأبوین فی سرقته من مال ولده" (۱)

ماں باپ کو زدوکوب کرنے کی سزا

والد کا بڑا حق ہے، والد کی خدمت وخوشنودی سے اللہ کی خوشنودی اور جنت حاصل ہوتی ہے، والد کو ناراض کرنے سے اللہ ناراض ہوتے ہیں، والد کو ستانا اور تکلیف پہنچانا سخت محرومی ہے، اس کا وبال دنیا اور آخرت دونوں جگہ بھگتنا ہوتا ہے۔ والدین کو مارنے یا نافرمانی کرنے پر شرعاً کوئی مخصوص حد متعین نہیں؛ بلکہ حاکم اسلام کی رائے اور امتیازی اختیارات کے سپرد ہے کہ مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت کو دیکھ کر جو سزا چاہے تجویز کرے؛ البتہ اگر بید یا کوڑے مارنے کی سزا تجویز کرے تو انتالیس عدد سے زیادہ اور تین سے کم کی تجویز نہ کرے، بہتر تو یہی ہے کہ کوئی خاص سزا متعین نہ کی جائے؛ لیکن اگر اس کا ارادہ ہے تو بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عدد کوڑے یا بید لگائی جائے اور پھر قید کردیا جائے جب تک کہ توبہ نہ کرے اور قرائن سے یہ ظاہر نہ ہوجائے کہ یہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے اس وقت تک قید سے نہ چھوڑے؛ کیوں کہ جو شخص عام لوگوں کو بے خطا مارتا ہے اس کی سزائے تعزیر یہی ہے کہ قید کردیا جائے اور بغیر توبہ نصوح کے نہ چھوڑا جائے۔

---

(۱) مواهب الجليل: ۸/ ۴۱۷، شرح فتح القدير: ۵/ ۳۶۸، مغنی المحتاج لشربينی: ۴/ ۱۶۲، المغنی لابن قدامه: ۱۲/ ۴۵۹

والدین کو مارنا یہ دہرا گناہ ہے؛ لہٰذا اس کی تعزیر میں کچھ کوڑے کی ضرب بھی بڑھادی جائے:

"ومن يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس أحبسه وأخلده في السجن حتى يتوب"(۱)

اور ایسا شخص امامت کے لائق بھی نہیں ہوسکتا، اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو اس کو برادری سے خارج کر دینا چاہیے اور قطع تعلق کر لینا چاہئے۔(۲)

والدین کے قاتل کی نماز جنازہ کا حکم

والدین یا ان میں سے کسی ایک کا قاتل اگر قصاص میں قتل کیا جائے تو اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا، اور اگر اپنی موت مرجائے تو جنازہ پڑھا جائے گا اور قاتل میراث کا مستحق نہیں ہوگا۔

لايصلي على قاتل أحد أبويه إهانة له"(۳)

"ومن قتل أحد أبويه لايصلي عليه إهانة له ذكره في جوامع الفقه"(۴)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

''ماں باپ کو تو اف کہنے کی بھی ممانعت ہے، چہ جائے کہ ان پر ہاتھ اٹھانا اور ان کے قتل کا مرتکب ہونا، ایسے شخص کے گناہ اور محرومی کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے ظالم شخص کی نماز جنازہ

---

(۱) شامی، باب التعزیر: ۷۶/۴، ومثله فی الهنیة: ۱۶۹/۲، الباب السابع فی حد القذف والتعزیر، ومثله فی البحر الرائق: ۴۲/۶، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، امداد المفتیین: ۷۵۳/۲، احسن الفتاوی: ۵۴/۹

(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۴۴/۲، فتاوی حقانیہ: ۱۶۹/۵، جامع الفتاوی: ۳۰۱/۷، فتاوی محمودیہ: ۱۶۲/۶ - ۱۶۴

(۳) ردالمحتار: ۲۱۲/۲

(۴) جلبي ككبير شرح منية المصلي، ص: ۵۹۱

نہیں پڑھی جائے گی اور اس کو یوں ہی دفن کر دیا جائے گا "**ومن قتل أحد أبویه لا یصلی علیه اهانة علیه**" (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳) (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ قاتل کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے، یہی اس کی سزا اور لوگوں کے لئے عبرت ہوگی اور اس کو باغیوں کی نہر میں پھینک دیں گے اور یہ شخص وراثت سے بھی محروم ہو جائے گا: "**القاتل لا یرث**" (۲)

❀❀❀❀❀❀

(۱) کتاب الفتاوی: ۸/ ۲۸۳

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۶۴۵، ۵۳۷، ۳۱۰۲، فتاوی دار العلوم زکریا: ۳/ ۵۵-۵۶

فہرست مآخذ ومصادر

	اولاً: القرآن الكريم وتفسيره		
۱	تفسير زاد المسير في علم التفسير	جمال الدين عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي	طبعة المكتب الإسلامي
۲	تفسير جامع البيان عن تأويل أي القرآن المشهور بتفسير الطبري	أبو جعفر محمد بن جرير الطبري	طبعة دار الفكر
۳	تفسير الجامع لأحكام القرآن المشهور بتفسير القرطبي	أبو عبد الله القرطبي	
۴	تفسير القرأن العظيم المشهور بتفسير ابن كثير	اسماعيل بن كثير القرشي	طبعة دار الاندلس
۵	تفسير الحكيم المشهور بتفسير المنار	محمد رشيد رضا	طبعة دار المعرفة
۶	أسباب النزول	أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي النيسابوري	طبعة قصر الكتاب البليدة، الجزائر
۷	تفسير في ظلال القرآن	سيد قطب	طبعة دار الشروق
۸	تفسير الكشاف عن حقائق التأويل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل	محمود بن عمر الزمخشري	طبعة دار المعرفة، بيروت، لبنان
۹	تفسير الفخر الرازي المشهور بالتفسير الكبير	الامام محمد الرازي فخر الدين	طبعة دار الفكر، بيروت، لبنان

۱۰	أحكام القرآن	أبو بكر الجصاص	طبعة دار الفكر
۱۱	أحكام القرآن	ابن العربي أبو بكر عبد الله الأندلسي	طبعة عيسى الحلبي

ثانيا: السنة الشريفة:

۱	صحيح البخاري	محمد بن اسماعيل البخاري	طبعة إحياء التراث العربي، بيروت
۲	عمدة القاري شرح البخاري	بدر الدين العيني	دار الإحياء التراث العربي
۳	صحيح مسلم	مسلم بن الحجاج القشيري	طبعة إحياء التراث العربي، بيروت
۴	سنن الترمذي	أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي	طبعة مكتبة المعارف للنشر والتوزيع
۵	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني النسائي	طبعة مكتبة المعارف للنشر والتوزيع
۶	سنن أبي داود	أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السجتاني	مكتبة المعارف للنشر والتوزيع
۷	سنن ابن ماجة	ابن ماجه أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني	مكتبة المعارف للنشر والتوزيع
۸	سنن الدارمي	أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بهرام بن عبد الصمد الدارمي التميمي السمرقندي	مكتبة المعارف للنشر والتوزيع

۹	سنن البيهقي	أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخسرو حردي الخراساني أبو بكر البيهقي	مكتبة المعارف للنشر والتوزيع
۱۰	شرح منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخبار	محمد بن على بن محمد نيل الأوطار	طبعة دار الجيل
۱۱	مصباح السنة	حسين بن مسعود البغوي	
۱۲	سبل السلام		
۱۳	دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين	محمد علي بن محمد بن علان بن ابراهيم البكري الصديقي الشافعي	
۱۴	المؤطا	مالك بن أنس	دار الشعب القاهرة

الفقه الإسلامي

۱	الأحوال الشخصية	محمد أبو زہرہ	طبعة دار الفكر
۲	خلاف الأثر في سنن سيد البشر دراسة مقارنة	الشيخ أحمد عساف	طبعة إحياء العلوم
۳	المذہب الاقتصادي في الإسلام	دكتور محمد شوقي الفنجري	شركة مكتبات عطاظ للنشر والتوزيع،
۴	المحلي	ابن حزم أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد	طبعة دار المنيرية، القاہرة
۵	الخراج	أبو يوسف يعقوب بن إبراہيم	طبعة المطبعة السلفية
۶	فقه الزكاة، ثلاثة أجزاء	يوسف القرضاوي	

۷	المنهاج شرح المسلم	يحيى بن شرف النووي محي الدين أبو زكريا	دار الكتب العلمية
۸	كتاب نظام الضرائب في الإسلام	عبد العزيز العلى النعيم	جامعة القاہرة، ١٩٧٥
۹	إحياء علوم الدين	أبو حامد الغزالي	طبعة دار القلم
۱۰	بذل المجهود	خليل أحمد السهارنفوري	دار البشائر السلامية
۱۱	الشرح الصغير	أحمد الدردير	طبعة وزارة الشؤون الدينية، الجزائر
۱۲	حاشية الدسوقي على الشرح الكبير	للشيخ محمد عرفة الدسوقى	
۱۳	الخرشي على مختصر خليل	محمد الخرشي أبو عبد الله علي العدوي	
۱۴	بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع	علاء الدين أبو بكر بن مسعود	المطبعة الجمالية، مصر
۱۵	الأحوال الشخصية في الفقه والقضاء والقانون	أحمد عبيد الكبيسي	مطبعة عصام بغداد الجماليه، مصر
۱۶	قانون الأسرة الجزائري		ديوان المطبوعات الجامعة الجزائر
۱۷	علاقة الآباء بالأبناء في الشريعة السلامية	سعاد ابراہيم صالح	مطبعة جدة، المملكة العربية السعودية
۱۸	أحكام الأسرة في السلام	أحمد فراج	مطبعة مؤسسة الثقافة، الجامعية الاسكندرية
۱۹	الزواج والطلاق في قانون الأسرة الجزائري	الأستاذ عبد العزيز سعد	طبعة دار البحث قسطنطنية

۲۰	المغني والشرح الكبير	عبدالرحمن ابن أبی عمر بن أحمد بن قدامی	طبعة المنار، القاہرة
۲۱	المدونة الكبری	مالک بن أنس	طبعة دار صادر بيروت، لبنان
۲۲	بلغة السالک لأقرب المسالک	أحمد ابن محمد الصاوي المالكي	طبعة دار المعرفة بيروت، لبنان
۲۳	منحة الخالق على البحر الرائق	ابن نجيم، الزمن أبو حنيفة الثاني	
۲۴	ردالمحتار على الدر المختار	ابن عابدين الشامي	الطبعة العثمانية
۲۵	الشرح الكبير على مختصر خليل	الدردير أحمد بن محمد العدوي	طبعة مصطفى الحلبی
۲۶	تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق	فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي	
۲۷	قانون العقوبات الجزائري		طبعة ديوان المطبوعات الجزائر
۲۸	مواہب الجليل شرح مختصر خليل	عبدالرحمن المغربی المعروف بالحطاب	طبعة، دار الفكر
۲۹	بداية المجتهد ونهاية المقصتد	ابن رشد أبو الوليد محمد ابن أحمد ابن رشد القرطبی	طبعة دار الشريفة، الجزائر
۳۰	الأحكام الشرعية للأحوال الشخصية	الأستاذ زكي شعبان	طبعة ۱۹۶۱-۱۹۶۲
۳۱	أحكام الأسرة في السلام	الأستاذ محمد مصطفى شلبي	
۳۲	ملحق نص قوانين الأحوال الشخصية	يعقوب المليجي	الطبعة الأولى، ۱۹۹۰

۳۳	الأحوال الشخصية في الشريعة السلامية	محمد محی الدين عبد الحميد	دار الكتاب العربی
۳۴	عيون البصائر	محمد البشير البراهيمي	طبعة الشركة الجزائرية للنشر والتوزيع، الجزائر
۳۵	كتاب الأم	أبو عبد الله ابن دريس ابن العباس	طبعة دار المعرفة
۳۶	المنجد فى اللغة والأعلام		طبعة دار الشروق
۳۸	القوانين الفقهية	محمد بن أحمد بن جزي الخرناطي	
۳۹	الكافي في فقه أہل المدينة	ابن عبد البر	طبعة دار الكتاب العلمية
۴۰	كتاب الصحاح	اسماعيل بن حماد الجوهري	
۴۱	سلسلة فقه الأسرة، الخطبة والزواج، دراسة مدعمة بالقرارات والأحكام القضائية	الأستاذ محمد محدة، طبعة مزيدة ومنقحة	طبعة الشهاب، ۲۰۰۰
۴۲	قانون الأسرة مباذ الاجتهاد القضائي وفقا لقرارات المحكمة العليا	الأستاذ بلحاج العربي	طبعة ديوان المطبوعات الجامعة، الجزائر
۴۳	محاضرات في قانون الأسرة	الاستاذ محمد صبحى نجم	طبعة ديوان المطبوعات
۴۴	فقه السيرة	محمد الغزالى	توفيق عفيفى عامر
۴۵	الفواكه الدواني	أحمد بن غانم بن سالم ابن مهنا، شهاب الدين النفراوي الأزهري المالكي	دار الكتب العلمية، بيروت

۴۶	الآداب الشرعية	محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج أبو عبد الله شمس الدين المقدسي الحنبلي	مؤسسة الرسالة
۴۷	فتح القدير	كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام	دار الفكر، بيروت
۴۸	الكتاب المقدس		طبعة دار الشرق الأوسط

اردو

۱	فتاوی عثمانی	مفتی تقی عثمانی صاحب	زکریا بکڈ پو یو بند
۲	فتاوی بینات	مجلس دعوت وتحقیق اسلامی	جامعہ اسلامیہ کراچی
۳	کتاب النوازل	مفتی سلمان منصوری صاحب	فرید بکڈ پو، دہلی
۴	فتاوی دار العلوم دیو بند	مفتی عزیز الرحمن صاحب	مکتبہ دار العلوم دیو بند
۵	فتاوی قاسمیہ	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	اشرفی بکڈ پو
٦	آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا یوسف لدھیانوی صاحب	زکریا بکڈ پو یو بند
۷	رشتہ داروں سے متعلق، فضائل احکام	مفتی محمد رضوان	ادارہ غفران، کتب خانہ، راولپنڈی
۸	فتاوی محمودیہ	مفتی محمود الحسن گنگوہی	دار المعارف دیو بند
۹	احسن الفتاوی	مفتی عبد الرشید صاحب	زکریا بکڈ پو
۱۰	کتاب الفتاوی	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	کتب خانہ نعمیہ دیو بند
۱۱	امداد المفتیین (عزیز الفتاوی)		زکریا بکڈ پو دیو بند
۱۲	خیر الفتاوی	مولانا محمد خیر جالندھری	زکریا بک ڈپو

۱۳	فتاوی مولانا عبدالحی	مولانا عبدالحی صاحب	مکتبہ تھانوی
۱۴	جامع الفتاوی	مفتی مہربان علی صاحب	ادارہ تالیف اشرفیہ، لاہور
۱۵	اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے	مفتی جعفر ملی رحمانی صاحب	جامعہ اسلامیہ اشاعۃ العلوم، اکل کواں
۱۶	مسنون معاشرت	مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	فیصل پبلیشرز
۱۷	امداد الفتاوی	حکیم الامت اشرف علی تھانوی	اشرفی بکڈپو
۱۸	دیوان اشعار پروین اعتصامی		
۱۹	محقق ومدلل جدید مسائل	مفتی جعفر ملی رحمانی صاحب	جامعہ اسلامیہ اشاعۃ العلوم، اکل کواں
۲۰	فتاوی دارالعلوم زکریا	مفتی ضیاء الحق صاحب	زمزم پبلیشرز
۲۱	فتاوی حقانیہ	حضرت مولانا عبدالحق صاحب	دارالعلوم حقانیہ
۲۲	کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ صاحب	زکریا بک ڈپو، دیوبند
۲۳	تحفۃ الالمعی	مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	مکتبہ حجاز، دیوبند
۲۴	امداد الفتاوی جدید مطول	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی	اشرفی بکڈپو